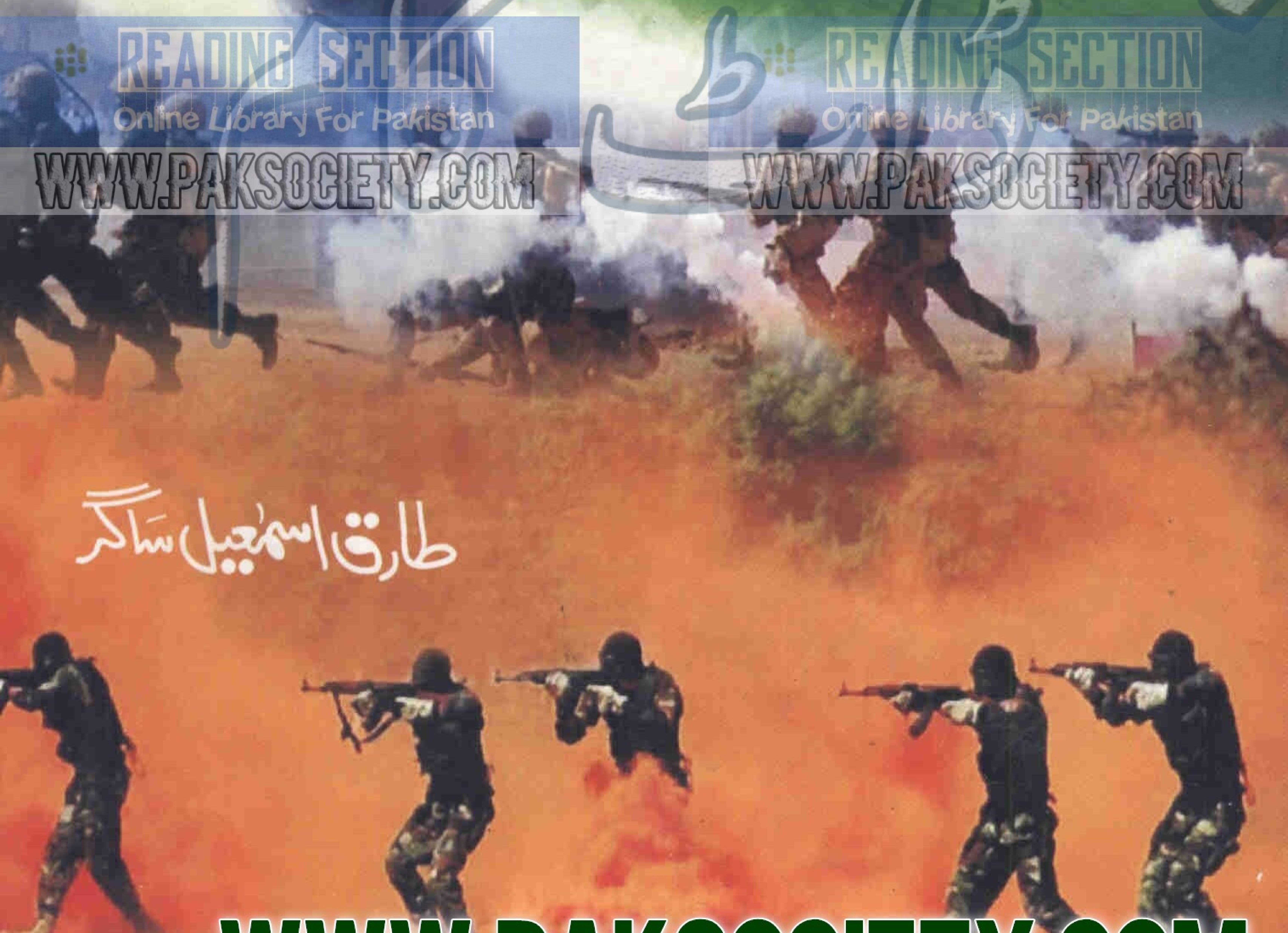
جب دشمن نے للکارا

(جنگ ستمبر 1965ء کے پس منظر میں لکھی گئی شاہکار تحریر)



طارق اسمٰعیل ساگر

پیش لفظ

آپ میں بہت سے ایسے بھی ہوں گے جن کو شاید بزرگوں نے یہ نہ بتایا ہو کہ ہمارے پیارے قائداعظم نے پاکستان کس طرح بنایا تھا؟ ہمارے ہمسائے میں رہنے والے ہندو اور سکھوں نے لاکھوں مسلمان مردوں، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کا کس ظالمانہ طریقے سے قتل عام کیا تھا؟ ہماری ہزاروں ماؤں، بہنوں کی عزت کس طرح لوٹی تھی؟ لیکن پھر بھی آپ اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ تو جانتے ہی ہوں گے۔ لیکن آپ میں سے اکثر اس وقت شاید پیدا بھی نہ ہوئے ہوں جب اسی مکار ہندو نے ستمبر 1965ء میں ہمارے پیارے وطن پر رات کے وقت چوروں کی طرح چھپ کر حملہ کیا اور چاہا کہ پاکستان کو ہڑپ کر جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہماری بہادر افواج نے اس کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

میں آپ کو اس کتاب میں 1965ء اور 1971ء کے ولولہ انگیز واقعات بتاؤں گا۔ یہ بات پرانی ہے لیکن یاد رکھیے کہ جس قوم کے بچے اپنے ماضی کو بھلا دیں وہ مستقبل میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے ہمارے دشمن کے عزائم آج بھی وہی ہیں جو قیام پاکستان کے وقت تھے۔ اپنے دشمن کو پہچان کر اس سے ہوشیار ہو جائیں۔ یاد رکھیے! ہندو کبھی ہمارا دوست نہیں ہو سکتا۔ اس نے دل سے کبھی پاکستان کو تسلیم نہیں کیا اور ہمیشہ اس کو تباہ کرنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ 1971ء میں دشمن نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مشرقی پاکستان پر حملہ کر کے ہمارے ملک کو دو ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ اسی دشمن نے کشمیر، حیدر آباد (دکن) اور جونا گڑھ پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ دشمن چاہتا ہے کہ پاکستان خدانخواستہ دنیا کے نقشے ہی سے مٹ کر رہ جائے۔ آیئے ہم عہد کریں کہ دشمن کو اس گھناؤنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہ ہونے دیں گے۔ بہادر پاکستانی بچو! اپنے شہیدوں کی کہانیاں پڑھ کر انہیں بھول نہ جانا بلکہ ان کے نقش قدم پر چلنے کا عہد کرو۔ آج آپ بچے ہیں، کل بڑے ہو کر آپ کو اس ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے۔

ان شہیدوں کی روحیں آپ سے سوال کر رہی ہیں کہ جس ملک کی خاطر انہوں نے جان دے دی، آپ نے اس کے لئے کیا کیا؟ اس کتاب میں آپ کو پیدل فوج اور ہوائی فوج کے بہادر غازیوں اور شہیدوں کی سچی کہانیاں بتائی جا رہی ہیں۔ ہمارے شیر دل پاک فضائیہ کے شاہینوں کی وہ کہانیاں ہیں جن کا جاننا ہر پاکستانی کا فرض ہے۔ آج جب ہم اپنا سر فخر سے بلند کر کے خود کو پاکستانی کہتے ہیں تو یہ بات بھول جاتے ہیں کہ ہماری سلامتی کے ضامن ہمارے وہ جلیل القدر شہید ہیں جنہوں نے اپنی جانیں صرف اس لئے قربان کی تھیں کہ ان کے ہم وطن ایک پروقار زندگی گزار سکیں۔

ستمبر 1965ء کی جنگ میں پاکستان ایئرفورس نے جو کارنامے انجام دیئے اس پر دنیا بھر کے

عظیم جرنیلوں نے ان کے لئے نعرہ تحسین بلند کیا اور اس بات پر حیرانگی ظاہر کی کہ اتنی چھوٹی سی فضائیہ نے بھارت کی بہت بڑی اور طاقتور فضائیہ کی کمر کیسے توڑ دی! یہ تھی بھی حیرانگی کی بات کہ آخر اتنے تھوڑے سے جہازوں سے پاکستان ایئر فورس نے کیسے انڈین ایئر فورس سے ٹکر لی اور نہ صرف ٹکر لی بلکہ اسے ناکوں چنے چبا دیئے۔ دشمن نے خود پاکستان ایئر فورس کی برتری کا اعتراف کیا۔

یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ ستمبر 1965ء کی جنگ کی ڈائری کی شکل میں ہے جس میں سترہ روزہ جنگ کے کچھ محاذوں کی مکمل کہانی بیان کی گئی ہے۔ یہ باتیں گو کہ ہمارے ماضی کی تاریخ کا حصہ ہیں لیکن یاد رکھیے کہ جو قوم اپنے ماضی کو بھول جائے اس کا مستقبل تباہ ہو جاتا ہے۔

اس بات کو کبھی نہ بھولیے کہ وہ بہادر اور سربلند شہید جنہوں نے ہمارے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں، وہ بھی ہمارے جیسے گوشت پوست کے انسان تھے۔ ان کی بھی مائیں، بہنیں، بیٹیاں، بیٹے، باپ، بھائی اور دوسرے رشتہ دار تھے۔ زندگی ان کو بھی بہت عزیز تھی۔ لیکن انہوں نے کسی بھی مصلحت یا رشتہ کو خاطر میں لائے بغیر ہتھیار نہیں ڈالے۔ اپنی جان دے کر اپنے ملک اور قوم کو سربلند کر دیا۔ کیا یہ ہمارے لئے شرم کی بات نہیں کہ ہم ان کی قربانیوں کو بھلا دیں۔

میری یہ کتاب ادارہ سیونتھ سکائی پبلی کیشنز سے شائع ہو رہی ہے جس کے بعد امید ہے کہ آپ کی وہ شکایات ۔۔آپ میری کتابوں کیلئے استعمال ہونے والے کاغذ، جز بندی اور پروف ریڈنگ سے متعلق کیا کرتے ہیں جس طرح ہر قاری کی خواہش ہوتی ہے کہ کتاب معنوی ہی نہیں، صوری طور پر بھی خوبصورت دکھائی دے۔ مصنف بھی یہی چاہتا ہے کہ اس کی تخلیق جب پیکر میں ڈھلے تو اتنی ہی خوبصورت دکھائی دے جیسا کہ اس نے سوچا اور لکھا۔ ہمارے ہاں بدقسمتی سے حکومت کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ قاری اور کتاب کا رشتہ ختم ہو جائے اس کیلئے بہترین ہتھیار کاغذ کی گرانی ہے جسے ہر حکومت نے کلہاڑے کی طرح استعمال کیا ہے۔ دنیا کے جاہل ترین معاشروں میں بھی کتاب کیلئے استعمال ہونے والے کاغذ پر حکومتیں رعایت دیتی ہیں ہمارے ہاں الٹی گنگا بہتی ہے اور زمانے بھر کے ٹیکس کاغذ پر تھوپ کر اُسے اتنا مہنگا اور نایاب کر دیا جاتا ہے کہ خدا کی پناہ۔ ان حالات میں جو پبلشرز کتاب خوبصورت انداز میں آپ تک پہنچاتے ہیں، بلاشبہ وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ سیونتھ سکائی پبلی کیشنز بھی ان میں شامل ہے۔ میری تمام پرانی کتابیں اسی ادارے سے ملیں گی اور جلد ہی انشاءاللہ نئی کتابیں بھی۔

آپ سے درخواست ہے کہ میری کتابیں طلب کرتے ہوئے ادارہ سیونتھ سکائی پبلی کیشنز کا نام ضرور دیکھ لیا کریں تاکہ آپ تک معیاری کتاب پہنچے۔

طارق اسماعیل ساگر

شیر دل او۔ پی

1963ء کا ذکر ہے۔

پاکستان آرمی کی سگنلز کور کے افسران کو ایک تربیتی کورس کے لیے امریکہ بھیجا گیا۔

پہلے آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ”سگنلز“ کسے کہتے ہیں۔

”سگنلز“ فوج کا ایک تنظیمی ڈھانچہ ہوتا ہے۔ اس تنظیم میں مختلف گروپوں کے لوگ مختلف طرح کی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں۔ سگنلز کا کام یہ ہے کہ یہ لوگ نہ صرف اپنی افواج کی مختلف یونٹوں اور محکموں کے درمیان مواصلاتی رابطے کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ دشمن کے نشر کردہ پیغامات بھی پکڑتے ہیں۔

اس سلسلے میں سگنلز کے پاس خاص قسم کے ڈیٹکٹو سیٹ ہوتے ہیں۔ ان سیٹوں کے ذریعے وہ لوگ دشمن کے نشر کردہ پیغامات کو سن لیتے ہیں۔ اکثر یہ پیغامات کوڈ ورڈز یعنی خفیہ زبان میں دیئے جاتے ہیں، لیکن اپنی خصوصی تربیت کے بل بوتے پر یہ لوگ ان پیغامات کے اصل مطلب تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔

سگنلز کو فوج میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ مختلف ٹروپس کا ایک دوسرے سے رابطہ بحال رکھتے ہیں اور پیغامات بھی انہی کے ذریعے ایک سے دوسری جگہ تک جاتے ہیں۔

آج کل کے ایٹمی دور میں جنگیں پرانے زمانے کی طرح کسی کھلے میدان میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے ہو کر تو لڑی نہیں جاتیں، کہ دونوں فوجوں کے کمانڈر ایک دوسرے کی منصوبہ بندی جان سکیں۔ اب تو لڑائی مورچوں میں چھپ کر...... مضبوط بنکروں میں بیٹھ کر...... ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں میں سوار ہو کر لڑی جاتی ہے۔

ایک مورچے میں موجود جوانوں کو علم نہیں ہوتا کہ دوسرے مورچے میں کیا ہو رہا

ہے؟ توپچی احکامات وصول ہونے پر ہی گولہ فائر کرتا ہے کیونکہ اسے میدان جنگ تو نظر نہیں آرہا ہوتا۔ سگنلز ان سب لوگوں کا آپس میں وائرلیس اور ٹرانسمیٹروں کے ذریعے رابطہ بحال رکھتے ہیں۔

ہاں تو میں آپ کو 1963ء کی بات سنا رہا تھا۔ ہمارے افسران کا ایک گروپ پیشہ ورانہ مہارت حاصل کرنے کے لیے امریکہ گیا۔ امریکہ میں "فورٹ سل" کے مقام پر وہ مواصلاتی سکول ہے جہاں ان لوگوں نے ٹریننگ لینی تھی۔

ان دنوں امریکہ کے اخبارات میں ایک پاکستانی افسر کی تصاویر شائع ہوئیں جن کا نام کیپٹن محمد حمید اللہ سنبل تھا۔ ایک اخبار نے ان کی تصویر کے نیچے لکھا۔

"پاکستان آرمی کے توپ خانے کے کیپٹن حمید اللہ سنبل جو فورٹ سل مواصلاتی سکول کے طالب علم ہیں اور جنہوں نے سکول کے افسران کو اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کا معترف بنا دیا ہے۔"

جب افسران کا یہ گروپ واپس پاکستان آیا تو کیپٹن حمید اللہ سنبل کو حکومت امریکہ کی طرف سے انتہائی شاندار نتائج حاصل کرنے پر تعریفی سرٹیفکیٹ دیا گیا۔

کیپٹن صاحب 19 فروری 1933ء کو میانوالی میں پیدا ہوئے میٹرک تک تعلیم انہوں نے یہیں حاصل کی۔ اس کے بعد لاہور چلے آئے۔

لاہور میں انہوں نے ایف ایس سی کا امتحان بڑے شاندار نمبروں سے گورنمنٹ کالج سے پاس کیا اور بی ایس سی میں داخلہ لے لیا۔

لیکن وہ بی ایس سی نہ کر سکے اور فوجی ملازمت کا شوق انہیں فوج تک لے گیا۔

انہیں 1955ء میں کمیشن ملا اور پہلے ان کو سگنلز میں بھیجا گیا۔ اس کے بعد کیپٹن حمید اللہ سنبل توپ خانے میں چلے گئے۔

امریکہ سے واپسی کے فوراً ہی بعد انہیں کنٹری کورس کے لئے نوشہرہ بھیج دیا گیا۔

جیسے ہی انہوں نے حسب روایت امتیازی حیثیت سے یہاں سے کورس پاس کیا۔ ان کے کورس کے خاتمے کے چند ہی روز بعد اطلاع ملی کہ بھارتی فوج نے رَن کچھ کے علاقے میں ناجائز مداخلت کی ہے۔

دشمن کو اس کی حرکت کا مزا چکھانے کے لئے فوراً پاکستان آرمی کو کاروائی کا حکم دیا گیا۔ پاکستانی فوج نے یہاں پہنچتے ہی ایسا منہ توڑ جواب دیا کہ دشمن کو ناکوں چنے چبا دیئے۔

بھارتی فوج کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ ان کی اس حرکت کا ردعمل اتنا سخت ہوگا اور اینٹ کا جواب پتھر سے ملے گا۔ انہوں نے تو اپنے لیڈروں کے کہنے پر پاکستان کو تر نوالہ ہی سمجھ رکھا تھا۔ لیکن ہوا اس کے بالکل برعکس۔

پاکستانی فوج اس کے لئے عذاب الٰہی ثابت ہوئی اور اس نے بھارتی مہاشوں کو محض چند گھنٹے کی کارروائی ہی میں آٹے دال کا بھاؤ بتا دیا۔ دشمن بری طرح نہ صرف اس علاقے سے پسپا ہوا جہاں اس نے جارحیت کر کے قبضہ کر رکھا تھا بلکہ وہ ایسا حواس باختہ ہوا اور اس بری طرح دم دبا کر بھاگا کہ اپنا ہی کئی مربع میل علاقہ پاکستان کی فوج کے حوالے کر گیا۔

رن کچھ میں بھارتی فوج کی شرم ناک شکست کو دنیا بھر کے اخبارات نے خوب خوب اچھالا کیونکہ دنیا جانتی تھی کہ بھارتی اور پاکستانی فوج کا نفری یعنی تعداد اور ہتھیاروں کے لحاظ سے آپس میں کوئی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک پاکستانی فوج کے مقابلے میں دشمن کے 12 فوجی آتے تھے اور یہی تناسب اسلحہ کے لحاظ سے بھی تھا۔

جب ان کی پٹائی کی خبر بھارتی عوام اور پریس کو ہوئی تو انہوں نے اپنی فوج کو شرم دلانی شروع کی جس پر جھنجلا کر بھارتی فوجی ہائی کمان نے ایک خطرناک منصوبہ بنایا اور انہوں نے کہا کہ اب وہ پاکستان کو مزا چکھا کر رہیں گے۔

دشمن نے سارے پاکستان کی سرحدوں پر فوجوں کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ یعنی مورچہ بندیاں ہونے لگیں اور بھارتی حکومت نے دنیا بھر کے ممالک سے دھڑا دھڑ اسلحہ خریدنا

شروع کر دیا ان کا جنگی جنون اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔

سرحدوں پر نازک صورت حال کے پیش نظر پاکستانی فوجوں کو بھی چھاؤنیوں سے نکل کر سرحدی علاقوں کی دیکھ بھال کا حکم ملا تا کہ ممکنہ جارحیت کا منہ توڑ جواب دیا جا سکے۔

کیپٹن محمد حمید اللہ سنبل توپ خانے سے تعلق رکھتے تھے۔ انہیں سیالکوٹ پہنچنے کا حکم ملا کیونکہ دشمن نے جھنجھلاہٹ میں کشمیر سیکٹر سے حملہ کر دیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہاں اس کی اس بری طرح پٹائی ہوئی کہ اس کو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا دیکھتے ہی دیکھتے اس کے ہاتھ سے چھمب اور جوڑیاں کے علاقے نکل گئے۔

پاکستانی دلیر افواج برق رفتاری سے پیش قدمی کرتے ہوئے اکھنور تک جا پہنچیں۔ انہوں نے اکھنور کی مضبوط مورچہ بندیوں کو بھی چند دنوں میں روند ڈالا۔

بس جی! پھر کیا تھا۔

بھارتی فوج کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ بھارتی ہائی کمان نے سوچا کہ اس چھوٹی سی فوج کو تمام محاذوں پر پھیلا کر اس طرح الجھا دیا جائے کہ ان کے راستے کی رکاوٹ ہی ختم ہو جائے اور وہ پاکستان کے اہم شہروں پر قبضہ کر کے نہ صرف یہ کہ اپنی رن کچھ اور کشمیر سیکٹر کی شکست کا بدلہ لے لیں گے بلکہ اس طرح وہ اپنا کھویا ہوا وقار بھی بحال کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

انتقام کی آگ میں اندھے ہو کر بھارتی اعلیٰ افسران نے اپنا سارا اسلحہ اور فوج ہی جنگ میں جھونک دی۔ انہوں نے پاکستان کی سرحدوں پر یوں تو تقریباً ہر اہم جگہ سے زبردست حملہ کیا لیکن دو حملے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

ایک لاہور سیکٹر کا حملہ

دوسرا سیالکوٹ سیکٹر کا حملہ

انٹیلی جنس کی رپورٹوں کے مطابق دشمن سیالکوٹ پر بڑا زبردست حملہ کرنے والا

تھا۔ اس حملے سے پہلے ہی پاکستان کے مایہ ناز جاسوسوں نے جو بھارت کے اندر بھیس بدل کر ملکی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ بھارتی فوج کے یہ راز چرا کر پاکستان پہنچا دیئے۔

ہماری فوجی ہائی کمان نے فوراً دشمن کے حملے کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے اپنی قلیل تعداد اور معمولی سے اسلحہ کے ساتھ ہی صف بندی شروع کر دی۔

کیپٹن حمید اللہ سنبل کو جو ان دنوں اپنے توپ خانے کے ساتھ پسرور کے نزدیک خدمات سرانجام دے رہے تھے، سیالکوٹ سیکٹر پہنچنے کا حکم ملا۔

سیالکوٹ سیکٹر میں نارووال کے نزدیک انہیں جسو کے پل کے نزدیک پہنچنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ چونکہ اس طرف سے دشمن کے خطرناک حملے کی نشان دہی پاکستانی انٹیلی جنس کر چکی تھی۔ اس سے پہلے اس کمپنی کو یہ اعزاز حاصل ہو چکا تھا کہ انہوں نے یکم ستمبر کو ایک بھارتی طیارے کو جسے ائیر فورس (پاکستانی فضائیہ) کے جیالے ہوا بازوں نے اترنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس کے پائلٹ کا نام برج پال سنگھ تھا اور اسے کیپٹن حمید اللہ سنبل ہی نے گرفتار کیا تھا۔ ان کی کمپنی کے میجر صاحب نے اس سلسلے میں ایک انتہائی خطرناک کارنامہ انجام دیا۔

اس طرح کے جب بھارتی طیارے کو ہمارے ہوا بازوں نے ہتھیار ڈالنے اور نیچے اترنے پر مجبور کر دیا تھا تو اس نے وقتی طور پر دھوکہ دینے کے لئے ہتھیار ڈال دیئے اور ایک فوجی ہوائی اڈے پر اتر گیا۔ جیسے ہی اسے احساس ہوا کہ اب پاک فضائیہ سے جان چھوٹ گئی ہے اس نے چاہا کہ رن وے سے ہی طیارہ کو دوبارہ بھگا لے جائے۔

کیپٹن حمید اللہ سنبل کی کمپنی کے میجر صاحب نے اس کی یہ حرکت نوٹ کر لی، کیونکہ ابھی تک برج پال سنگھ نے طیارے کے انجن بند نہیں کیے تھے۔ جیسے ہی اس نے طیارے کو حرکت دی۔ میجر صاحب اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر آگے بڑھے۔

وہ جیپ میں سوار تھے۔ انہوں نے انتہائی تیز رفتاری سے جیپ چلائی اور طیارے

کے سامنے لاکھڑی کر دی۔اس طرح انہوں نے طیارہ کو اڑنے سے پہلے "رن" لینے کے لئے جگہ نہ چھوڑی۔ یہ انتہائی خطرناک اقدام تھا اور ان کی جان کو زبردست خطرہ لاحق تھا۔طیارہ سٹارٹ تھا وہ جیپ سے ٹکراتا تو میجر صاحب کی جان جا سکتی تھی لیکن انہوں نے اپنی جان کی پرواہ نہ کی اور بھارتی پائلٹ کی کوشش ناکام بنادی۔

جب بھارتی پائلٹ برج پال سنگھ نے دیکھا کہ میجر صاحب تو اپنی جان پر کھیلنے سے بھی نہ ڈرے تو اس نے طیارے کے انجن بند کر دیئے اور ہتھیار پھینک کر نیچے اتر آیا۔اس پائلٹ کو جب کیپٹن حمید اللہ سنبل نے گرفتار کیا تو وہ قریباً رو رہا تھا۔

کیپٹن سنبل نے اس کی ڈھارس بندھائی اور اس کو کہا کہ حوصلہ رکھو تم جنگ ختم ہوتے ہی رہا کر دیئے جاؤ گے۔ہم تمہاری طرح بزدل دشمن نہیں ہیں۔

ان کے مہربانہ سلوک کی تعریف رہائی کے بعد اس پائلٹ نے دنیا بھر کے اخبار نویسوں کے سامنے کی تھی۔

پاکستانی فوج کی روایت یہ ہے کہ ہمارے افسر اپنے جوانوں کے دوش بدوش اگلے مورچوں میں بیٹھ کر جہاد کرتے ہیں اور ان کے جوان جب اپنے افسران کو اس طرح دشمن کے ساتھ اگلے مورچوں میں دو دو ہاتھ کرتے دیکھتے ہیں تو ان کے حوصلے بھی دو چند ہو جاتے ہیں۔

کیپٹن سنبل کی کمپنی جنگ ستمبر میں سیالکوٹ سیکٹر میں جسڑ برج کے نزدیک ملک عزیز کی خدمات سرانجام دے رہی تھی وہ چونکہ توپ خانے کے افسر تھے۔لہٰذا ان کی ذمہ داریاں بھی خاصی نازک تھیں۔توپ خانہ اگر صحیح طور پر کام نہ کر سکے تو انفنٹری یعنی پیدل فوج کے جوان بالکل بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں کیونکہ توپ خانے کی گولہ باری کی آڑ ہی میں انہوں نے ایڈوانس کرنا ہوتا ہے۔اس کے علاوہ توپ خانہ دشمن کے مورچوں پر اگر صحیح صحیح نشانوں پر گولہ باری کرے تو وہ دشمن کی کمر توڑ کر رکھ دیتا ہے۔

کیپٹن حمید اللہ سنبل نے اپنی توپیں کیموفلاج کر لیں یعنی آڑ میں چھپا لیں۔اب وہ دشمن کو نظر نہیں آ سکتی تھیں۔خود وہ بجائے وہیں رہنے کے ڈیڑھ میل دور آگے چلے گئے وہ چھپتے چھپاتے دشمن کے مورچوں کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ایک جگہ چھپ کر انہوں نے اپنے توپ خانے کو ہدایات جاری کیں اور بالکل صحیح ٹھکانوں پر ایسی موثر گولہ باری کروائی کہ دشمن کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

ان کا پہلا حملہ ہی اتنا شدید تھا کہ دشمن گھبرا کر اور انتہائی خوف زدہ ہو کر پسپا ہونا شروع ہو گیا۔کیپٹن حمید اللہ سنبل کی کوششوں سے پاکستانی فوج کے جانباز سپاہیوں نے "اللہ اکبر" کے نعرے بلند کرتے ہوئے نہ صرف دشمن سے جسڑ کا پل چھین لیا بلکہ ہماری فوج دشمن کا شدید حملہ پسپا کرنے کے بعد اس کے علاقے میں پانچ میل اندر تک ایڈوانس کر گئی۔

جو ڈیوٹی کیپٹن سنبل انجام دے رہے تھے اسے او پی (O-P) ڈیوٹی کہتے ہیں۔او۔پی کا کام انتہائی خطرناک اور مشکل ہوتا ہے وہ اپنی فوج کی پوزیشن سے بہت دور دشمن کے عین درمیان بیٹھ کر اس پر گولہ باری کرواتا ہے یہ خاصی سخت ڈیوٹی ہے اور بڑے ہی دل گردے کا کام ہے کیونکہ دشمن کے نزدیک ہونے کا احساس ہی اچھے بھلے آدمی کو پریشان کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

اس خطرناک ڈیوٹی کے دوران کیپٹن سنبل کے ہاتھ ایک اور شکار بھی آ گیا۔وہ اپنے جوانوں کو خصوصی ہدایات دے کر دوبارہ اپنی پوزیشن سنبھالنے کے لیے واپس جا رہے تھے کہ اچانک ایک جگہ انہیں ٹھٹھک کر رک جانا پڑا۔انہوں نے ایک جگہ گھنی جھاڑیوں کے درمیان کسی دشمن فوجی کی موجودگی کو محسوس کیا۔یہ دشمن فوج کا او پی تھا جو یہاں چھپ کر کیپٹن سنبل کے وہاں سے گزرنے کا منتظر تھا تاکہ ان پر اچانک حملہ کر کے انہیں شہید کر ڈالے اور دوبارہ اطمینان سے اپنی ڈیوٹی سنبھال لے۔

لیکن قدرت کو ابھی ان کی شہادت منظور نہیں تھی کیونکہ ان سے اللہ تعالیٰ نے ابھی

ملک وملت کے لیے اور بھی بہت سے کام لینے تھے۔ کیپٹن سنبل نے دشمن کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے اسے زندہ پکڑنے کا پروگرام بنایا۔ اس طرح ان کا کام خاصا آسان ہو سکتا تھا اور وہ دشمن کے اس افسر کے ذریعے ان کے وہاں موجود توپ خانے کا پتہ لگوا سکتے تھے۔

یہ انتہائی خطرناک کام تھا کیونکہ وہ دشمن کے انتہائی نزدیک پہنچ چکے تھے۔ اگر وہ اس او پی کو ختم بھی کر دیتے تو فائرنگ کی آواز سے دشمن ہوشیار ہو جاتا اور اس کے بعد ان کے یہاں سے زندہ بچ نکلنے کی امید ہی باقی نہ رہتی۔ اس شیر دل جیالے کیپٹن نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ان تمام خطرات سے نمٹنے کا فیصلہ کر لیا۔

کیپٹن سنبل بجلی کی سی تیزی کے ساتھ دشمن کو جھکائی دے کر اچانک اس کے سر پر پہنچ گئے اور بھارتی فوج کے افسر کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی جب اس نے دیکھا کہ کیپٹن سنبل اس کے سر پر سٹین گن تانے کھڑے ہیں۔ اس افسر کو گرفتار کر کے کیپٹن سنبل دشمن کی پوزیشنوں کے قریب سے کامیابی سے گزر کر اپنے مورچوں کی طرف آ گئے۔ ہماری انفنٹری (پیدل فوج) کے جوان جو اگلے مورچوں میں دشمن پر حملہ کرنے کے منتظر تھے۔ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے اس بات پر بڑی حیرت ظاہر کی کیونکہ ان کے خیال میں دشمن کے عین درمیان سے اس کے کسی افسر کو اس طرح گرفتار کر کے لے آنا ناممکن تھا۔

کیپٹن سنبل اس افسر کو اپنے مورچوں میں لے آئے اور دشمن کی توقع کے بالکل برعکس اس سے انتہائی شاندار سلوک کیا۔ انہوں نے دشمن کے فوج کے میجر کی تواضع چائے اور بسکٹوں سے کی اور اس سے ایسا شاندار سلوک کیا کہ اس نے بغیر کسی تشدد کے رضاکارانہ طور پر اپنی فوج کے توپ خانے کی نشان دہی کر دی۔ پھر کیا تھا......؟

فوراً پاکستانی توپ خانہ حرکت میں آ گیا اور دس پندرہ منٹ کی قیامت خیز گولہ باری کے بعد ہی اس نے بھارتی افواج کے آہنی قلعوں کو خاک کے ڈھیر میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔

میدان صاف ہوتے ہی ہمارے انفنٹری کے جیالے اللہ اکبر اور نعرہ حیدری بلند کرتے ہوئے

آگے بڑھے اور انہوں نے دشمن کی پیدل فوج پر جان توڑ حملہ کر دیا۔ ہمارے پیدل جوانوں کو اپنے توپ خانے کی مدد حاصل تھی۔ جس کی آڑ میں وہ ایڈوانس کرتے دور تک نکل گئے اور انہوں نے دشمن کی دو مضبوط چوکیاں خالی کروا لیں۔

10 ستمبر 1965ء کو جمعہ کا دن تھا......!

ہماری صف شکن فوج کا یہ سرفروش اپنے مورچوں سے کافی دور آنکھوں سے دوربین لگائے دشمن کی پوزیشنوں کا جائزہ لے کر ان پر آگ برسا رہا تھا کہ اچانک مارٹر گن کا ایک گولہ ان کے اور اردلی کے درمیان آ کر پھٹا۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ ان کا اردلی معمولی زخمی ہوا۔ جبکہ کیپٹن صاحب کی ٹانگ کٹ گئی اور ان کے سینے پر گہرے گھاؤ لگے۔

کیپٹن حمید اللہ سنبل کے جوانوں کو ان سے بہت محبت تھی۔ ان کا اردلی اپنے صاحب کو اس حالت میں دیکھ کر ضبط نہ کر سکا۔ اس کے آنسو بہہ نکلے۔ کیپٹن صاحب نے اسے تسلی دی۔ اردلی انہیں اٹھا کر کسی نہ کسی طرح جیپ تک لے آیا۔ لیکن جیپ بھی دشمن کی گولہ باری سے تباہ ہو چکی تھی کیپٹن صاحب کو ایک فوجی ٹرک کے ذریعے کمبائنڈ ملٹری ہسپتال سیالکوٹ لایا گیا تمام راستے وہ مسکراتے رہے ان کے سینے اور ٹانگ سے برابر خون بہتا رہا۔ لیکن وہ بجائے اپنے زخموں کی پرواہ کرنے کے اپنے اردلی کو حوصلہ دیتے رہے۔

11 ستمبر تک کیپٹن محمد حمید اللہ سنبل موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر وفات قائداعظم کے روز اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انہوں نے اپنے قائداعظم کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے وطن عزیز کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ خداوند تعالیٰ نے ان کی شہادت کے لیے بھی وہی دن منتخب کیا۔ جس روز ہمارے قائداعظم اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان کی خدمات پر ستارہ جرأت پیش کیا گیا۔

............☆☆☆............

فلسفی کپتان

جنگ ستمبر یوں تو ستمبر کے مہینے سے بہت پہلے ہی شروع ہو چکی تھی لیکن دشمن نے مختلف محاذوں پر مثلاً رن کچھ، یار بیٹ، چھمب جوڑیاں وغیرہ میں پاکستانی بہادر افواج کے ہاتھوں مسلسل زک اٹھانے کے بعد جھنجھلاہٹ میں جب 6 ستمبر 1965ء کو اپنی پوری قوت کے ساتھ پاکستان کے تمام محاذوں پر زوردار حملے شروع کیے تو باقاعدہ جنگ بھی شروع ہو گئی۔

دشمن اپنی طاقت کے گھمنڈ میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ دو تین روز ہی میں پاکستان کی مختصر سی فوج کو ناکوں چنے چبانے پر مجبور کر دے گا لیکن ادھر سے جب منہ توڑ جواب ملا تو ہندو لالے کو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔

یوں تو دشمن نے تمام محاذوں پر بڑے زوردار حملے کیے تھے لیکن اس نے لاہور اور سیالکوٹ پر خصوصی طور پر زبردست حملے کیے۔ جنرل چوہدری نے جو بھارتی فوج کا کمانڈر انچیف تھا اعلان کیا کہ وہ اپنے افسروں کے ساتھ 6 ستمبر کو 2 بجے کے بعد لاہور جم خانہ میں جشن فتح منائے گا۔ بھارت کے عوام نے اپنی بزدل فوج کے افسروں پر یقین کر لیا کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں، بس وہی سچ ہے...... ایسا ہی ہو گا۔ بے چارے عوام لاہور کو لوٹنے کے لیے بسوں ٹرکوں اور موٹر سائیکلوں پر بیٹھ کر لاہور کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابھی یہ جلوس راستے ہی میں تھا کہ انہوں نے اپنے فوجیوں کی لاشوں کے بھرے ہوئے ٹرک اپنی سرحدوں کی طرف تیزی سے واپس لوٹتے دیکھے۔ اس کے ساتھ ہی ہماری بہادر فضائیہ کے شیر دل پائلٹوں نے ان کے سروں پر برق رفتاری سے پرواز کی تو بے چارے دم دبا کر واپس بھاگ گئے۔

جب دشمن نے ہر محاذ پر منہ کی کھائی اور ان کا بے شمار جانی اور مالی نقصان ہوا تو انہوں نے جنگ نہ کرنے ہی میں خیریت جانی اور لالہ جی اقوام متحدہ میں جا کر روئے کہ بھگوان کے لیے ہمیں پاکستانی فوج سے بچاؤ......

دنیا بھر کے ممالک نے جب پاکستان کو جنگ بند کرنے کی اپیل کی تو ہم نے اپنی امن پسندی کی وجہ سے اقوام متحدہ کی بات مان لی حالانکہ اب دشمن بری طرح پسپا ہونا شروع ہو چکا تھا جس طرح تیزی سے اس کے پاؤں اکھڑ رہے تھے اور پاکستان کی بہادر افواج جتنی تیز رفتاری سے پیش قدمی کر رہی تھی اس کے بعد دہلی تک پہنچنا کچھ زیادہ مشکل نہیں رہا تھا۔

جنگ بندی کے لیے اقوام متحدہ نے 23 ستمبر کا دن منتخب کیا۔ بھارتی سورماؤں نے اپنے عوام اور دنیا بھر کے اخباری نمائندوں کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچنے کے لیے سوچا کہ چلو ایک آخری داؤ لگا لو۔ اس مقصد کے پیش نظر دشمن نے اپنی تمام ریزرو (محفوظ) افواج بھی 22، 23 ستمبر کو جنگ میں جھونکنے کا فیصلہ کر لیا۔

دشمن کا خیال یہی تھا کہ اس طرح جب فائر بندی ہو جائے گی تو وہ دنیا بھر کے اخباری نمائندوں کو کم از کم اپنا کوئی کارنامہ تو دکھا سکیں گے۔ بھارتی جرنیلوں نے اپنی سینا (فوج) کو سختی سے حکم دیا تھا کہ وہ 23 ستمبر سے پہلے پہلے زیادہ سے زیادہ علاقے پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں۔

اس سلسلے میں دشمن کا دباؤ سب سے زیادہ لاہور کے محاذ پر تھا۔ اس نے قریباً اپنی ساری ہی قوت یہاں صرف کر دی تھی۔

لاہور کی سرحد پر ایک گاؤں ایسا بھی تھا جہاں دشمن نے پہلے تو بزدلی سے اچانک حملہ کر کے قبضہ کر لیا لیکن جب ہمارے جانبازوں نے جوابی حملہ کیا تو دشمن کو مجبوراً سینکڑوں لاشیں اور بے شمار اسلحہ اور گولہ بارود چھوڑ کر گاؤں خالی کرنا پڑا۔

اس گاؤں کے دوبارہ پاکستان کے قبضے میں جانے سے دشمن کو اس علاقے میں زبردست نقصان کا خطرہ تھا۔ کیونکہ انہوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے جو مورچے اپنی حفاظت کے لیے کھودے تھے ان پر اب بہادر پاکستانی فوجی مورچہ بند ہو چکے تھے۔

اس گاؤں کی حفاظت کے لیے ہماری انفنٹری (پیدل فوج) کی صرف ایک کمپنی

کیپٹن صغیر حسین کی قیادت میں پچھلے پندرہ روز سے زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہی تھی......
فائرنگ کرتے کرتے ان شیر دل جوانوں کے بازو شل ہو چکے تھے لیکن وہ دشمن کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے تھے انہیں بمشکل ہی دن میں ایک دو گھنٹے ستانے کے لیے نصیب ہوتے تھے دشمن ہر روز تازہ دم ہو کر حملہ کرتا تھا لیکن ہر روز زبردست جانی اور مالی نقصان اٹھا کر پیچھے ہٹ جاتا۔ یہ صورتحال دشمن کے لیے بہت پریشان کن تھی۔

23 ستمبر کو چونکہ فائر بندی ہو رہی تھی اس لیے دشمن نے 22 ستمبر کو آخری اور بھرپور حملہ کرنے کی ٹھانی۔ اس مرتبہ دشمن نے اس علاقے پر پورے ایک بریگیڈ کے ساتھ جسے توپ خانے اور ٹینکوں کی مدد حاصل تھی پوری قوت سے حملہ کر دیا۔ دشمن کا حملہ صبح فجر کے وقت شروع ہوا اور اس کا زور بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔

اس بریگیڈ کے تمام افسران نے قسم کھائی تھی کہ وہ آج چاہے پوری بریگیڈ ہی کی قربانی کیوں نہ دینی پڑے اس گاؤں پر قبضہ کر کے چھوڑیں گے کیونکہ پچھلے پندرہ دنوں سے جس بری طرح ان کی پٹائی ہو رہی تھی اس کے بعد وہ شرم کے مارے اپنے اعلیٰ افسران کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہے۔

حملے کا آغاز بہت زبردست تھا۔ پہلے دشمن نے بھاری توپ خانے سے زبردست گولہ باری شروع کی۔ انہوں نے ایک گھنٹہ جی بھر کے گولہ بارود پھونکا اور دل کے سارے ارمان نکال لیے۔ اب دشمن نے یہی جانا کہ بس کیپٹن صغیر کی کمپنی کا صفایا ہو چکا ہوگا کیونکہ اس نے اپنی دانست میں ایک ایک انچ جگہ پر گولے برسائے تھے۔

اس کے بعد انفنٹری یعنی پیدل فوج کا حملہ شروع ہوا اس حملے میں دشمن نے یہ طریقہ اپنایا کہ آگے آگے اس کے ٹینک پیش قدمی کر رہے اور ٹینکوں کی آڑ میں پیدل فوج کے حملے کا آغاز ہی ہو رہا تھا کہ اچانک کیپٹن صغیر کی کمپنی نے زبردست جوابی حملہ کر دیا۔ جب ٹینکوں کی اگلی قطار کا صفایا اچانک ہونے لگا تو دشمن بوکھلا گیا اس بوکھلاہٹ میں اس کی پیدل

فوج گاجر مولی کی طرح کٹ کٹ کر گرنے لگی۔

اس طرح اپنے حملے کا بدترین انجام دیکھ کر دشمن دم دبا کر بھاگ گیا۔ اس نے اپنی پیدل فوج کے جوانوں کو مزید مروانے کی بجائے پیچھے ہٹا لیا اور ایک مرتبہ پھر دشمن کا بھاری توپ خانہ حرکت میں آ گیا۔ اس دفعہ ان لوگوں نے خاصی تلملاہٹ اور غصے سے حملہ کیا تھا کیونکہ ان کے سپاہیوں کی بے تحاشا مرتیو (موت) نے ان کے دماغ گرم کر دیئے تھے بھارتی توپ خانے کے افسران اپنے توپ خانے والوں کو وائرلیس پر گالیاں دے دے کر اپنا غصہ نکال رہے تھے۔

ان کی یہ گالیاں ہماری فوج کے وائرلیس سیٹوں پر صاف سنائی دیتی تھیں۔ وہ لوگ اپنے توپ خانے کو شرم دلا رہے تھے کہ ان سے ابھی تک مٹھی بھر فوج کا خاتمہ نہیں ہو سکا۔ اس کے جواب میں توپ خانے کے افسران پیدل فوج کو صلواتیں سنا رہے تھے کہ وہ کیوں نہیں آگے بڑھ کر گاؤں پر قبضہ کر لیتے۔

اپنے مورچوں میں بیٹھے، ٹھنڈے دماغ اور بلند حوصلوں کے مالک کیپٹن صغیر حسین دشمن کی اس بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ان کے جوانوں نے اپنے سر نیچے کر لیے تھے اور دشمن کی بھاری توپوں کے گولے ان کے گردا گرد پھٹ کر دھماکے اور گرد و غبار پیدا کر رہے تھے۔

اس بے تحاشہ گولہ باری کے بعد دشمن نے قریباً ساری ہی پیدل فوج کو یکلخت چارج کرنے کا حکم دیا۔ پیدل فوج کے آگے آگے ٹینکوں کی قطار مست ہاتھیوں کی طرح ڈگمگاتی بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ ایک ٹینک اگر تباہ ہوتا تو فوراً دوسرا ٹینک اس کی جگہ لے لیتا۔

اس یلغار کے سامنے کیپٹن صغیر حسین کے پاس صرف ایک ہی راستہ باقی بچا تھا کہ وہ فوراً اپنے جوانوں کو پسپا ہونے کا حکم دے دیں اور محفوظ علاقے میں واپس چلے آئیں۔

لیکن وہ سچے مسلمان اور بہادر پاکستانی تھے۔ انہوں نے مشکلات سے گھبرانا نہیں

سیکھا تھا۔ نہ ہی وہ بزدلوں کی طرح ہتھیار ڈالنا جانتے تھے۔ کیپٹن صغیر ایک ایک مورچے میں اپنے جوانوں کے پاس جاتے اور ان کا حوصلہ بڑھاتے رہے انہوں نے اپنی کمپنی کے صوبیدار صاحب سے کہا۔

"خدا کی قسم! جب تک میری جان میں جان ہے، میں دشمن کو اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا کہ وہ ایک انچ بھی اپنے ناپاک قدم ہماری پاک سرزمین کی طرف بڑھائے۔"

ان کے اس عزم اور فولادی ارادے کو دیکھ کر جوانوں کے حوصلے بھی بڑھ گئے اور وہ اپنی جری اور صف شکن افسر کے ساتھ بزدل دشمن کے مقابلے پر ڈٹ گئے۔ کیپٹن صغیر حسین نے اپنے مورچے میں بیٹھ کر جو آخری خط اپنے والد بزرگوار چوہدری نور حسین صاحب کو گوجرانوالا اپنے گھر میں لکھا۔ وہ ان کی جواں ہمتی کی منہ بولتی تصویر ہے وہ لکھتے ہیں:

"گرامی قدر والد صاحب!

دشمن نے اپنا سب کچھ جنگ میں جھونک دیا ہے۔ ہم پر گولے مینہ کے اولوں کی طرح برس رہے ہیں۔ میرے مورچے کے گرداگرد دشمن کے گولے پھٹ رہے ہیں۔ لیکن میرے جوان بالکل نہیں گھبرا رہے ہمارے جانباز بڑی جوانمردی سے لڑ رہے ہیں۔ کیونکہ انہیں یقین ہے کہ اللہ ان کی مدد کرے گا اور وہی ان کی حفاظت کر رہا ہے۔ فتح حق کی ہوگی بالکل نہ گھبرائیے میں انشاء اللہ فتح مند ہو کر گھر واپس لوٹوں گا۔"

کیپٹن صغیر حسین کو ان کے ساتھی ایک فلسفی اور عالم خیال کرتے تھے کیونکہ انہوں نے انگریزی اور فلسفہ میں ایم اے کر رکھا تھا اور وہ اکثر اخبارات اور جرائد میں مضامین بھی لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے انگریزی کی دو کتابیں بھی لکھی تھیں خصوصاً راولپنڈی کے انگریزی دان اخباری حلقے میں تو ان کا ایک خاص مقام تھا شاید یہی وجہ تھی کہ وہ فوجی سے زیادہ عالم فاضل سمجھے جاتے تھے۔

لیکن اس وقت کس کو اس بات کا علم تھا کہ یہ فلسفی اور ادیب ایک روز ایسا کارنامہ کر گزرے گا کہ دنیا بھر کی جنگی تاریخ میں اسے ایک اہم اور ناقابل فراموش مقام مل جائے گا۔ وہ اپنے دوستوں سے اکثر یہ بات کہا کرتے تھے کہ دیکھ لینا جب کبھی دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کا موقع آیا تو تم مجھے سب سے آگے پاؤ گے۔

کیپٹن صغیر نے جو کچھ کہا عمل سے سچ کر دکھایا۔ وہ باآسانی پیچھے آ سکتے تھے لیکن انہوں نے پسپائی پر عزت کی شہادت کو ترجیح دی۔ دشمن نے قطار کی صورت میں ٹینکوں کو آگے بڑھانا شروع کیا اور وہ وقت بھی آ گیا کہ ایک مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا ٹینک ان کے مورچے کے عین سامنے سے نمودار ہو کر اس طرف تیزی سے بڑھنے لگا۔

کیپٹن صغیر نے ہمت نہ ہاری، وہ چھلانگ لگا کر مورچے سے باہر آ گئے، کیونکہ ٹینک ان کے مورچے کو روندتا ہوا آگے نکل گیا تھا۔ وہ زمین پر لڑھکنیاں کھاتے ہوئے ٹینک کے پیچھے پہنچے اور اپنے پوچ سے انہوں نے گرنیڈ نکالا اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ٹینک پر چڑھ گئے۔

کیپٹن صغیر کے ساتھی بتاتے ہیں کہ دشمن ان کی اس دیدہ دلیری پر چکرا کر رہ گیا۔ کیپٹن صاحب نے ٹینک کا ڈھکن اٹھایا اور اس میں گرنیڈ پھینک کر توپچیوں سمیت اس کے پرخچے اڑا دیے۔

کیپٹن صغیر خود چھلانگ لگا کر خاصے دور جا گرے۔ انہوں نے اپنی بچی کھچی نفری کو اکٹھا کیا۔ ان کا حوصلہ بڑھایا اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن اپنی نفری کو مرواتا جا رہا تھا اور اس کی جگہ نئی نفری میدان جنگ میں جھونکتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے ان مٹھی بھر سرفروشوں کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا تھا اس کے لیے چاہے ساری بھارتی سینا ہی کیوں نہ جہنم واصل ہو جاتی۔

ان کے ساتھی بھی ایک ایک کر کے جام شہادت نوش کر رہے تھے لیکن کیا مجال کہ ان میں سے کسی نے دل چھوڑا ہو۔ وہ جہاں ایک مرتبہ جم گئے وہاں سے پھر موت نے ہی انہیں ہلایا۔ اس اثناء میں دشمن نے ایک نئی چال چلی۔

اس نے جب دیکھا کہ سامنے سے تو ان کے ہر حملے کا منہ توڑ جواب مل رہا ہے تو بھارتی فوج کے افسروں نے اپنی پیدل فوج کے ایک دستے کو حکم دیا کہ وہ سامنے سے فائرنگ کر کے کیپٹن صاحب اور ان کے ساتھیوں کو مصروف رکھے۔ اس کے ساتھ ہی بھارتی پیدل فوج اور ٹینک پہلوؤں سے ان کے گرد گھیرا تنگ کرنے لگے۔ پاکستانی جوان تعداد کم ہونے کے باعث اتنے زیادہ رقبے میں نہیں پھیل سکتے تھے نہ ہی وہ چاروں طرف سے ان کی یلغار روک سکتے تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے دشمن نے گھیرا مکمل کر لیا اور ان کے میجر نے کیپٹن صغیر کو للکار کر ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا۔ کیپٹن صغیر نے اس کا جواب سٹین گن کے برسٹ سے دیا۔ جس پر دشمن ان پر ٹوٹ پڑے اور کئی بھارتی سپاہیوں کو جہنم واصل کرنے کے بعد بالآخر خدا کا یہ شیر اور پاکستانی فوج کا فلسفی مجاہد سینے میں گولیوں کا پورا برسٹ لگنے سے جام شہادت نوش کر گیا۔

جس میجر کے حکم پر انہیں شہید کیا گیا، اس نے دنیا بھر کے اخباری نمائندوں کے سامنے کیپٹن صغیر شہید کی بہادری کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا۔

”کیپٹن صغیر نہ صرف ان سب پاکستانیوں سے زیادہ دلیر تھے جن سے آج تک میرا سامنا ہوا ہے بلکہ وہ ان تمام افسروں سے بڑھ کر بہادر اور جانباز تھے جن کے متعلق میں نے آج تک پڑھا یا سنا ہے۔“

وہ سچے اور کھرے مسلمان تھے۔ فوجی افسر کی حیثیت سے انہیں اپنے ساتھیوں میں ہمیشہ ایک امتیاز حاصل رہا ہے کئی اہم عہدوں پر وہ اپنی ملازمت کے آغاز ہی میں فائز رہے۔ ان کی خصوصی قابلیت کے پیش نظر انہیں مختلف کورس کرنے پاکستان آرمی نے غیر ممالک میں بھی بھیجا۔ مذہب اور ملت اسلامیہ سے انہیں لگاؤ تھا۔

دنیا بھر میں جہاں کہیں مظلوموں پر ظلم ہوتا وہ تڑپ اٹھتے۔ بلاامتیاز رنگ و نسل وہ ساری دنیا کے مظلوم انسانوں سے محبت کرتے تھے۔ لکھائی پڑھائی کے علاوہ وہ بہترین مصور

اور فوٹو گرافر بھی تھے۔ 6 ستمبر کو ان کی شادی کو 4 سال ہو جاتے انہوں نے 31 سال کی عمر میں جام شہادت نوش کیا۔ ان کے پسماندگان میں بیوہ، دو بیٹے اور ایک بچی شامل ہیں۔ شہید کی بیٹی ان کی شہادت کی پہلی جمعرات کو پیدا ہوئی۔

پنجاب کے شہر گوجرانوالا کو اپنے اس خوبصورت وجیہہ اور شکیل شہید کیپٹن پر فخر ہے۔ سارا ملک ان کی شہادت پر ناز کرتا ہے۔

انہیں ستارۂ جرأت کے اعزاز سے نوازا گیا۔

☆☆☆

ٹینکوں کا شکاری

ٹینکوں کو آج کل کی لڑائیوں میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ عموماً فوجیں ان ہی کی آڑ میں حملے کرتی ہیں اور ٹینک کسی بھی فوج کی جیت یا شکست میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ٹینک دستے کو کیولری کہا جاتا ہے ایک کیولری رجمنٹ میں مختلف فوجوں کے لحاظ سے ٹینکوں کے مختلف سکواڈرن شامل ہوتے ہیں۔ بھارتی بزدل افواج نے دنیا بھر کی سب سے بڑی ٹینکوں کی لڑائی جو دوسری جنگ عظیم میں "العالمین صحرا" میں لڑی گئی تھی کو بھی تعداد کے لحاظ سے مات کر دیا۔ 6 ستمبر کو بزدل دشمن نے 600 ٹینکوں کے ساتھ چونڈہ (سیالکوٹ سیکٹر) میں حملہ کر دیا۔ دشمن کی بکتر بند قوت کی تفصیل کچھ اس طرح تھی۔ جس نے سیالکوٹ محاذ پر تین اطراف سے حملہ کر دیا۔ جنرل چوہدری (اس وقت کے بھارتی کمانڈر انچیف) کی مایا ناز اور بھارت کی مانی ہوئی سولہویں کیولری نمبر 1 آرمڈ ڈویژن نمبر 63 کیولری اور نمبر 2 لانسرز (یہ سب بھاری توپوں، ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے مسلح فوج کے مختلف حصوں کے نام ہیں) ان کے علاوہ نمبر 26 انفنٹری ڈویژن، نمبر 6 ماؤنٹین ڈویژن (یہ ڈویژن بھارتی جرنیلوں نے خاص طور سے چین سے مقابلے کے لئے تیار کیا تھا اور اس میں بھاری اسلحے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تربیت یافتہ نشانہ باز توپچی شامل تھے) نمبر 14 انفنٹری ڈویژن اگر یہ ساری تعداد توپوں، ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کی گنتی کی جائے تو گنتی ہزاروں میں پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے ایک غیر ملکی اخبار نویس نے جنگ کے بعد یہ کہا تھا۔ "یہ بکتر بند ڈویژن (بھارتی فوج) اور انفنٹری بریگیڈ (پیدل پاکستانی فوج) کی ٹکر تھی اب بھارت اس حقیقت کو نہیں جھٹلا سکتا کہ اس کا مجموعی نقصان جو اس کے جدید اور بھاری اسلحے سے لیس توپ خانے نے پاکستانی پیدل فوج کے ہاتھوں اٹھایا ایک ڈویژن (بکتر بند) کے برابر ہے۔

جب اس قدر بے شمار اسلحے اور فوج کے ساتھ 6 ستمبر کو دشمن نے سیالکوٹ سیکٹر میں

حملہ کیا تو اس حملے کو روکنے کی سعادت سب سے پہلے ہمارے جس توپ خانے کے کمانڈر کو ہوئی وہ میجر ضیاء عباسی شہید تھے۔

میجر عباسی اپنی گائیڈ کیولری رجمنٹ کے ساتھ سیالکوٹ میں موجود تھے جب دشمن نے سنچورین جیسے خوفناک ٹینکوں کے ساتھ جنہیں لوہے کے قلعے کہا جاتا ہے ایک سیاہ رنگ کا پردہ چاروں طرف تان دیا۔ اس آتش و آہن کے پردے کے پیچھے پیچھے دشمن کی پیدل فوج بھی ہزاروں کی تعداد میں بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ یہ نادان اور بزدل بھارتی اس غلط فہمی کا شکار تھے کہ وہ اتنی زبردست قوت کے ساتھ پاکستان کو ایک تر نوالہ سمجھ کر نگل جائیں گے لیکن بے وقوف دشمن نہیں جانتا تھا کہ اس کا واسطہ میجر عباسی جیسے سرفروش پاکستانی افسر سے پڑا ہے۔

میجر ضیاء عباسی نے انٹیلی جنس کی رپورٹوں اور اپنے "آبزرورز" (فارورڈ ایریا میں کام کرنے والے) کی رپورٹوں سے دشمن کے حملے کی شدت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ ان کے لیے فوجی ٹریننگ کے مطابق صرف یہ راستہ باقی تھا کہ اپنے ٹینکوں سمیت پیچھے ہٹ آئیں کیونکہ دشمن کے ٹینکوں کی قطاروں کا مقابلہ ان کے پانچ دس ٹینک نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن وہ پاکستانی فوج کے افسر تھے، انہوں نے پیچھے ہٹنا بے غیرتی جانا، اس کے علاوہ ان کے دل میں یقیناً یہ بات بھی رہی ہوگی کہ اگر وہ پیچھے ہٹ گئے اور دشمن کے راستے میں آنے والی واحد رکاوٹ کا ہی خاتمہ ہو گیا تو پھر دشمن کو سیالکوٹ جی ٹی روڈ پر قبضہ کرنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔

پاکستان کا یہ مایہ ناز سپوت تمام مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر دشمن کے مقابلے پر ڈٹ گیا، کیونکہ اس نے اس بات کا عہد کر لیا تھا کہ ملک کی حفاظت کرتے ہوئے جان تو دے دے گا لیکن دشمن کو آگے نہیں بڑھنے دے گا۔

اپنی مختصر سی رجمنٹ کو وہ سارے محاذ پر تو پھیلا نہیں سکتے تھے۔

انہوں نے سوچ بچار کے بعد ایک انتہائی دلیرانہ فیصلہ کیا میجر عباسی شہید نے اپنی

تمام رجمنٹ کے ساتھ دشمن کے عین درمیان میں پوری قوت سے حملہ کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بزدل دشمن کی یلغار کا زور ٹوٹ گیا اس کی جمعیت درمیان سے ٹوٹ کر پہلوؤں کی طرف منتشر ہو گئی۔

اس طرح دشمن کی ترتیب توڑ کر میجر عباسی نے اس کے حملے کا آدھا زور راستے ہی میں توڑ دیا تھا جیسے ہی دشمن پہلوؤں کی طرف بکھرا، میجر عباسی نے انتہائی پھرتی کے ساتھ اپنے ٹینکوں کو پاکستانی پیدل فوج کے دائیں اور بائیں منتقل کر دیا۔

اس طرح پیدل فوج کے جوانوں یعنی انفنٹری کو ان کا کور میسر آ گیا اور ان کے حوصلے دو چند ہو گئے اس طرف سے مطمئن ہو کر میجر عباسی شہید نے اپنے محض چار ٹینکوں کے ساتھ دشمن کے قلب پر حملہ کر دیا۔ یہ انتہائی دلیرانہ اقدام تھا جو دنیا بھر کے فوجی مبصرین کے نزدیک سوائے خودکشی کے اور کوئی معنی نہیں رکھتا۔

وہ خود چونکہ کمانڈر تھے اس لیے انہوں نے اپنا ٹینک سب سے آگے رکھا اور "اللہ اکبر" اور نعرہ حیدری بلند کرتے ہوئے جوش جہاد سے اپنے مورچوں سے قریباً 3 ہزار گز آگے تک ایڈوانس کر گئے۔

میجر صاحب کے شوق جہاد کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنے ٹینک کا ڈھکن کھول دیا اور آنکھوں سے دوربین لگائے دشمن کی دو طرفہ گولہ باری کے عین درمیان کھڑے ہو کر اپنے جوانوں کو ہدایات جاری کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے اکیلے ٹینک کی مدد سے دشمن کے پانچ ٹینکوں کو جہنم رسید کر دیا اب صورتحال یہ ہو گئی کہ وہ دشمن کی صفوں میں کافی اندر تک گھس آئے ان کے دائیں بائیں دور دور تک دشمن کے ٹینکوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

ان بے شمار ٹینکوں نے اپنی توپوں کا رخ ان کے ٹینک کی طرف کر رکھا تھا لیکن میجر صاحب دشمن کو زک پہنچا کر بڑی پھرتی سے اس گولہ باری کی زد سے اپنے ٹینک کو بچا لے جاتے۔

جب کسی فوج کا کمانڈر اتنی دلیری اور اولی العزمی کا مظاہرہ کرے تو اس کے جوانوں

کے جذبات کا کیا عالم ہوگا۔ ہر ذی ہوش اس بات کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے وہ لوگ اپنے شیر دل کمانڈر کے دوش بدوش بڑھ چڑھ کر دشمن کے حملوں کا منہ توڑ جواب دے رہے تھے۔ انہوں نے چونڈہ کو دشمن کے ٹینکوں کا قبرستان بنانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

میجر ضیاء عباسی شہید کے پہلو میں قریباً 150 گز کے فاصلے پر دوسرا اور قریباً تین سو گز دور ان کا تیسرا ٹینک موجود تھا، کیونکہ وہ ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر تھے اس لیے دشمن کے تابڑ توڑ حملوں سے کافی حد تک محفوظ بھی تھے۔

میجر صاحب نے یہ تکنیک اس لیے اپنائی تھی تاکہ ان کے کم از کم ٹینکوں کو نقصان پہنچے۔ اس طرح اگر ٹینک بکھر کر لڑیں تو وہ دشمن کی گولہ باری سے کسی حد تک محفوظ بھی رہتے ہیں اور یوں نہیں ہوتا کہ ایک ٹینک اگر تباہ ہو تو وہ اپنے ساتھ دوسرے ٹینک کو بھی لے ڈوبے۔

ان کے ٹینک کا ڈرائیور اپنے شیر دل میجر کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

میجر صاحب گولوں کی برستی بارش میں دشمن کے سینکڑوں ٹینکوں کے درمیان گھرے ہوئے تھے لیکن ان کے ماتھے پر ایک شکن بھی میں نے نہ دیکھی وہ دشمن کے ٹینکوں کی تعداد کو بالکل خاطر میں نہ لائے تھے۔ ٹینک کا ڈھکن انہوں نے اٹھا رکھا تھا اور دوربین آنکھوں سے لگائے وہ دشمن کی پوزیشنوں کا جائزہ لیتے پھر ہمیں گولہ باری کا حکم دیتے۔

جب ہم لوگ اپنے مورچوں سے قریباً تین ہزار گز دور نکل آئے تو ہمارا ٹینک دشمن کے قریباً بارہ تیرہ ٹینکوں کے نرغے میں آ گیا۔ میجر صاحب نے انتہائی مہارت کا ثبوت دیا اور اتنی برق رفتاری سے گولہ باری کرائی کہ دشمن کے تین ٹینک دیکھتے ہی دیکھتے لوہے کے پگھلتے ہوئے ڈھیر میں تبدیل ہو گئے۔ ابھی ہم لوگ اپنی گن کو اگلا فائر کرنے کے لیے پوزیشن میں لا ہی رہے تھے کہ اچانک دشمن کا فائر کردہ ایک گولہ ہمارے اس نڈر اور جانباز افسر کی چھاتی میں لگا۔

ہمارے جواں ہمت میجر صاحب فوراً شہید ہو گئے انہیں سانس لینے کی مہلت بھی

نصیب نہ ہو سکی۔ میجر صاحب کا خون آلود جسم ٹینک میں آ گرا اور اس کے ساتھ ہی ایک اور گولہ ہمارے ٹینک کو ہٹ کر گیا۔

یہ ڈرائیور کسی نہ کسی طرح زخمی حالت میں جلتے ہوئے ٹینک سے چھلانگ لگا کر باہر نکلا اور نزدیک ہی چھپ گیا۔ میدان جنگ میں ہر طرف آگ اور دھوئیں کے ساتھ بارود کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ حد نگاہ تک ہر طرف دشمن کے ٹینک سیاہ مست ہاتھیوں کی طرح جھومتے ہوئے بڑھتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

گولہ باری اس شدت کی ہو رہی تھی کہ تین چار گھنٹے تک ٹینک کے ڈرائیور کو وہاں سے سر اٹھانے کی مہلت بھی نہ مل سکی۔ رات کے قریباً نو بجے وہ کسی نہ کسی طرح زخمی حالت میں گھسیٹتا ہوا اپنے مورچوں تک جا پہنچا۔ جہاں اس نے اپنے میجر صاحب کی شہادت کا واقعہ موجود جوانوں کو سسکیاں لیتے ہوئے سنایا۔

ان کی دلیرانہ شہادت رہتی دنیا تک ایک مثال بن کر قائم رہے گی۔ ہماری بہادر بری فوج کے ٹینک رسالے کے اس صف شکن افسر نے 24 گھنٹے تک بزدل دشمن کو ناکوں چنے چبائے رکھے اور ان کو ایک انچ بھی اپنے ناپاک قدم پاک سرزمین کی طرف بڑھانے کی اجازت نہ دی۔

ان کی خدمات کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لیے انہیں ستارۂ جرأت کے اعزاز سے نوازا گیا۔

☆☆☆

سچ کر دکھایا

ملٹری کالج جہلم ایک فوجی درس گاہ ہے اور فوج میں جانے کے شوقین نوجوان طالب علم یہاں داخل ہوتے ہیں۔ یہاں پڑھنے والے طالب علم صرف ذہین اور لائق ہی نہیں ہوتے بلکہ انہیں ایک خاص طرح کے سانچے میں ڈھالا جاتا ہے ان کے دل و دماغ میں یہ بات سما جاتی ہے کہ زندگی وہی جو ملک و قوم کے کام آئے۔

یوں تو اس دانش گاہ نے ہزاروں بہادر افسر پاکستانی فوج کو دیئے ہوں گے لیکن کیپٹن مظہر شہید پر ہمیشہ ملٹری کالج جہلم کو ناز رہے گا۔ اپنے دور طالب علمی ہی میں وہ اکثر اپنے ساتھیوں سے کہا کرتے تھے۔

”ملکوں اور قوموں کو زندہ رکھنے کے لیے ان کے بیٹے ہمیشہ سے خون دیتے آئے ہیں اگر کبھی میری قوم اور ملک پر خدانخواستہ کوئی ایسا وقت آ گیا تو میں اپنی یہ بات سچ ثابت کر دکھاؤں گا۔“

کہتے ہیں قدرت بھی اپنے راستے میں جدوجہد کرنے والوں کو ہمیشہ بلندی پر پہنچاتی ہے۔ جب کیپٹن صاحب ابھی صرف مظہر تھے اور اپنے چھ فٹ ایک انچ لمبے اور شاندار سڈول اور کسرتی جسم کی بدولت اپنے کالج کے نہ صرف ایک لائق اور ذہین طالب علم تھے بلکہ بہترین کھلاڑی بھی تھے اس وقت کس کو اس بات کی خبر تھی کہ ایک روز ایسا آنے والا ہے جب واقعی یہ لمبا تڑنگا نوجوان کھلاڑی اپنی بات سچ کر دکھائے گا۔

کمیشن پانے کے بعد ان کے جوہر کھلنے لگے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے اپنے ساتھیوں سے کہیں آگے نکل گئے۔

6 ستمبر کو انہیں واہگہ سیکٹر (لاہور) مورچے سنبھالنے اور دشمن کو نیست و نابود کر دینے کے احکامات ملے۔ کیپٹن صاحب نے خدا کا شکر ادا کیا کہ آج زندگی میں پہلی بار انہیں اپنی دلی

مراد پوری ہوتی نظر آرہی تھی۔ آج پہلی دفعہ کمینہ دشمن مکمل کر ان کے سامنے آیا تھا۔

کیپٹن مظہر شہید اگلے مورچوں میں موجود جوانوں کی جگہ لینے آگے بڑھے جنہوں نے پچھلے چوبیس گھنٹے سے دشمن کو روک رکھا تھا کئی جوان شہید ہو چکے تھے اور جو بچ رہے تھے ان میں سے چند ہی ایسے خوش قسمت ہوں گے جو زخمی نہیں تھے۔

کیپٹن مظہر نے اپنی کمپنی کے ساتھ ان جوانوں کی جگہ سنبھال لی اور زخمیوں اور شہیدوں کو وہ اوران کے ساتھی برستی گولیوں میں پیچھے لے آئے اس کے بعد آخری لمحات تک وہ ان ہی مورچوں میں موجود رہے۔

انہوں نے رات کی نیند اور دن کا چین اپنے اوپر حرام کر لیا تھا وہ دشمن کی ہراول فوج کے براہ راست حملوں کی زد میں تھے کیونکہ ان کی کمپنی ''سکرین پوزیشن'' پر تھی۔

''سکرین پوزیشن'' ایسی پوزیشن ہوتی ہے جہاں لڑنے والے حملہ آوروں کے بالکل سامنے موجود ہوتے ہیں اور دشمن کی پیدل فوج (انفنٹری) توپ خانہ ہر قسم کا (آرٹلری) براہ راست زد میں آجاتے ہیں۔ حملے کی صورت میں سب سے زیادہ نقصان ''سکرین کمپنی'' ہی کو اٹھانا ہوتا ہے۔ اس لئے ایسی حساس اور نازک پوزیشنوں پر عموماً بڑے جی دار اور بہادر افسروں اور جوانوں کو رکھا جاتا ہے۔

دوران تربیت ہی کیپٹن مظہر شہید نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ نہ صرف ذہین بلکہ دلیر اور جانباز بھی ہیں اور صرف باتیں ہی کرنا نہیں جانتے بلکہ وقت آنے پر وہ ملک وقوم کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کر سکتے ہیں۔

22 ستمبر 1965ء کے روز!

دشمن نے فائر بندی ہونے سے پہلے اپنی تمام قوت کو جنگ کی بھٹی میں جھونکنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دشمن چاہتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ پاکستانی علاقے پر قبضہ کر کے اپنی شکست کے داغ کسی حد تک چھپا سکے۔ کیپٹن مظہر شہید پچھلے پانچ چھ روز سے دن رات جاگ کر اپنے

دستے کی کمان سنبھالے ہوئے تھے۔ اس قیامت خیز گولہ باری میں انہیں دن بھر میں بمشکل دو تین گھنٹے ہی آرام میسر آتا تھا۔

فائر بندی سے چند گھنٹے پہلے ان کی کمپنی پر ایک بٹالین بھارتی فوج نے حملہ کر دیا۔ کیپٹن مظہر شہید کسی اور ہی مٹی کے بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے بجائے اپنے مورچوں میں بیٹھ کر دشمن کا حملہ روکنے کے اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ وہ ''اللہ اکبر'' کے نعرے بلند کرتے ہوئے آگے بڑھیں اور دشمن کا منہ توڑ کر رکھ دیں۔

اس کے ساتھ ہی وہ خود بھی چھلانگ لگا کر اپنے مورچے سے باہر کود پڑے۔

جب ان کے جوانوں نے اپنے دلیر افسر کو اس طرح شیر دلی کا مظاہرہ کرتے دیکھا تو وہ بھی ''نعرہ حیدری'' بلند کرتے ان کے تعاقب میں آگے بڑھے یہ ساری کمپنی اپنے جری اور نڈر افسر کی قیادت میں کہنیوں کے بل رینگتی ہوئی دشمن کے تابڑ توڑ حملوں کا منہ توڑ جواب دیتی ایڈوانس کر رہی تھی۔ کیپٹن صاحب کے شوقِ شہادت کا یہ عالم تھا کہ وہ اٹھ کر اپنے جوانوں کو للکارتے اور ان کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔

دشمن کے سپاہی گاجر مولی کی طرح کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ جب ایک گولی اس جانباز کیپٹن کے کندھے پر لگی، اس گولی نے اس کے طیش میں اضافہ کر دیا انہوں نے اپنے زخم کی پروا نہ کی اور دشمن کی طرف اپنی رفتار اور بڑھا دی۔

دشمن بوکھلاہٹ میں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا لیکن بھاگتے دشمن کے تعاقب میں آگے بڑھتے ہمارے ملک کے اس قابل فخر فرزند کے سینے میں مشین گن کی گولی لگی وہ گر پڑا لیکن اس کی پیش قدمی نہ رکی۔

کیپٹن صاحب رینگ رینگ کر دشمن کے مورچوں کی سمت بڑھ رہے تھے۔ ان کی اس جانفشانی پر فرشتوں نے بھی انہیں خراج تحسین پیش کیا ہوگا۔ اسی دوران انہوں نے اپنی جان ملک وملت کے نام پر جان آفرین کو سونپ دی۔

دوران جنگ 17 ستمبر کو وہ ایک دن کے لئے اپنے گھر آئے تھے۔

انہوں نے اس روز اپنی والدہ سے کہا کہ وہ ایک ہفتے کے اندر اندر بہت بڑی خوش خبری سنیں گی اور وہ خوشخبری انہوں نے سن لی۔ جب ان کی کمپنی کے صوبیدار صاحب نے بتایا کہ ان کے صاحب نے کتنی دلیری اور جانفشانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سینے پر گولی کھا کر شہادت پائی۔ جب ان کی لاش شہید کے آبائی گاؤں مدینہ (گجرات) پہنچی تو ان کی والدہ اور جواں ہمت بیوہ نے بڑے صبر وضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہمارے لئے اس سے بڑی خوشخبری اور کیا ہوگی؟ کہ کیپٹن مظہر نے شہادت پائی اور خدا کے نزدیک نہایت اعلیٰ مقام حاصل کرلیا۔"

جب تک "پاکستان" رہے گا اس کے جیالے بیٹوں کے نام بھی اس کے ساتھ زندہ رہیں گے کیونکہ انہوں نے اپنے ملک کی آن بچانے کے لئے اپنی جان دے ڈالی!

............☆☆☆............

ہنس مکھ پیغام رساں

6 ستمبر 1965ء کی شام کا واقعہ ہے۔

سیالکوٹ سیکٹر میں دشمن کے لاتعداد ٹینک مست ہاتھیوں کی طرح جھومتے ہوئے پاک سرزمین کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس سیکٹر میں ہماری ایک کمپنی جو ڈیڑھ دو سو فوجیوں پر مشتمل تھی ملک کی حفاظت کرنے پر مامور تھی۔ جب اس کمپنی کو دشمن کے حملے کی خبر ہوئی تو کمپنی کمانڈر نے اپنے جوانوں کو مختلف گروپوں میں بانٹ کر دفاعی اہمیت کے مقامات کی طرف مورچہ بند ہونے کا حکم دیا۔

پاکستانی فوج کے جوانوں میں ایک ولولہ اور جوش پہلے ہی سے پایا جاتا تھا۔ خصوصاً جب سے انہیں اس بات کی خبر ملی کہ دشمن نے ہمارے پیارے وطن پر حملہ کردیا ہے تو ان کے غیظ وغضب میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا۔ تمام پاکستانی جوان بڑی بے چینی سے اپنے مورچوں میں ڈٹے دشمن کے حملے کے منتظر تھے۔

ابھی بمشکل انہوں نے پوزیشن سنبھالی ہی تھی کہ دشمن کا حملہ ان پر شروع ہوگیا۔

کمپنی کمانڈر نے کمپنی ہیڈ کوارٹر کی حفاظت کے لیے سپاہی فدا حسین کو وہاں رہنے دیا سب سے پہلے دشمن نے جنگی اصول کے مطابق کمپنی ہیڈ کوارٹر پر حملہ کرنا تھا۔ اس کی بڑی توپوں کا فائر آنا شروع ہوگیا یہ حملہ اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ دنیا کی کوئی بھی فوج ہوتی تو وہ بوکھلا کر رہ جاتی۔ سب سے پہلے سپاہی فدا حسین نے دشمن کے ٹینکوں کو بہت گڑگڑاہٹ کے ساتھ اس سمت آتے دیکھا۔ انہوں نے اپنے حواس بحال رکھے اور بھاگ کر اپنے کمپنی کمانڈر کے پاس پہنچے تا کہ انہیں صورت حال سے آگاہ کرسکیں۔ وہ دشمن کے گولوں کی بارش کو بالکل خاطر میں نہ لائے اور عین اس مقام سے جہاں انچ انچ زمین پر دشمن آگ برسا رہا تھا گزرتے ہوئے اپنے کمپنی کمانڈر تک جا پہنچے۔ ان کے کمپنی کمانڈر ایک مورچے میں کھڑے صورتحال کا

جائزہ لے رہے تھے۔ یہ حملہ ان کی توقعات کے بالکل برعکس ہوا تھا۔ انہیں ابھی تک صورت حال کی صحیح سمجھ نہیں آ سکی تھی۔

سپاہی فدا حسین نے اپنے کمانڈر کو بتایا کہ کمپنی ہیڈ کوارٹر دشمن کے شدید حملے کی زد میں آ چکا ہے انہوں نے اپنے کمانڈر کو دشمن کے ٹینکوں اور توپ خانے کی پوزیشن سے بھی آگاہ کر دیا جب تک سپاہی فدا حسین اپنی جان ہتھیلی پر رکھے اپنے کمانڈر تک پہنچے پوری کمپنی حملے کی زد میں آ چکی تھی۔

دشمن کے ٹینک نزدیک آتے جا رہے تھے۔ اس کے حملوں میں پہلے سے بھی زیادہ شدت آ گئی تھی ان ٹینکوں کی آڑ میں اس کی پیدل فوج کے سپاہی بھی پاک سرزمین کی طرف بھاگے چلے آ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے خودکار اور جدید ترین اسلحے سے اندھا دھند فائرنگ بھی کرتے جاتے تھے۔

کمپنی کمانڈر نے دشمن کے حملے کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے فوراً ریسیور اٹھایا تاکہ اپنی پلاٹون کو جوابی کارروائی کا حکم دے سکیں۔

لیکن وائرلیس سیٹ کسی ٹیکنیکی خرابی کی وجہ سے ناکارہ ہو چکا تھا اور وہ اپنے احکامات جاری کرنے سے قاصر تھے۔

فوج کی تنظیم کچھ ایسی ہے کہ وہاں جب تک کمانڈر کا حکم نہ آئے کوئی جوان اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ صرف اسی وقت جوابی حملہ کرتے ہیں جب ان کو اس کا حکم مل جائے کیونکہ انہیں ڈسپلن سکھایا جاتا ہے اور ڈسپلن اسی چیز کا نام ہے کہ وہ صبر و ضبط کا دامن تھامے رکھیں اور بوکھلا کر کہیں فائرنگ کرنی نہ شروع کر دیں۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے سپاہی بے بسی سے ہتھیاروں کو ہاتھوں میں پکڑے دیکھتے رہیں۔ کمپنی کمانڈر نے فیلڈ ٹیلیفون کو آزمانا چاہا لیکن اس کے تار بھی کٹ چکے تھے۔ وقت اتنا کم تھا کہ وہ لوگ انہیں ٹھیک کرنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے تھے۔ انہوں نے

مایوسی کے عالم میں ریسیور نیچے پھینک دیا۔

سپاہی فدا حسین اپنے کمپنی کمانڈر کے نزدیک کھڑے تھے۔ ان سے اپنے میجر صاحب کی پریشانی دیکھی نہ گئی انہوں نے اپنے کمانڈر کی طرف دیکھا اور بڑے پُراعتماد لہجے میں بولے۔

"سر! اگر کوئی حکم ہو تو میں حاضر ہوں۔"

کمپنی کمانڈر نے چونک کر ان کی طرف دیکھا کیونکہ وہ بھی بہرحال فوجی تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ ایسی قیامت کی گولہ باری میں ان کا جوان جس خدمت کے لیے کہہ رہا ہے وہ کتنی مشکل بلکہ ناممکن بات ہے۔

حالات کی نزاکت کے پیش نظر کمپنی کمانڈر نے بادل نخواستہ اپنے اس بہادر اور جیالے سپاہی کی خدمات قبول کر لیں۔ انہوں نے سپاہی فدا حسین کو مختلف پلاٹونوں کے لیے ہدایات دیں اور اسے خدا کے حوالے کر دیا۔

سپاہی فدا حسین کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ نہ صرف اپنی کمپنی کے مختلف سیکشنوں کو بلکہ ارد گرد پھیلی ہوئی دوسری پلاٹونوں کو بھی دشمن کے اس حملے کی تفصیل اور اپنے میجر صاحب کے احکامات پہنچائے۔ وہ شیر دل جانباز برستی آگ کی بارش میں پیٹ کے بل رینگتا ہوا اپنی پوزیشنوں کی طرف روانہ ہو گیا۔

قریباً ایک گھنٹہ تک وہ اس قیامت کی گولہ باری میں اپنی فوج کے ایک ایک مورچے پر پہنچ کر ان کو ہدایات پہنچاتا رہا اور جب واپس لوٹا تو اس نے اپنے کمپنی کمانڈر کو رپورٹ دی کہ ہماری تمام پلاٹونوں کو دشمن کے نہ صرف حملے کی خبر ہو گئی ہے بلکہ انہوں نے جوابی کارروائی بھی میجر صاحب کے احکامات کے مطابق شروع کر دی ہے اور ہماری ریکوائل لیس رائفلوں (ٹینک تباہ کرنے والی) نے دشمن کے دو سنچورین ٹینک تباہ کر دیے ہیں۔

کمپنی کمانڈر میجر صاحب نے بے اختیار اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔

سپاہی فدا حسین کمپنی کمانڈر کے قریب موجود اگلے حکم کے منتظر تھے میجر صاحب نے حالات پر کڑی نظر رکھی تھی کہ اچانک دشمن کے ٹینکوں کے دو تین سکواڈرن ایک دوسرے کے پیچھے ایک سمت سے نمودار ہوئے اور انہوں نے بے خبری میں ایک پلاٹون کو گھیرے میں لے لیا۔

ہماری یہ پلاٹون بے خبری میں بری طرح دشمن کے نرغے میں پھنس چکی تھی۔ میجر صاحب نے اس مرتبہ پھر سپاہی فدا حسین کو پیغام دے کر اس پلاٹون کی طرف روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ لوگ کمپنی ہیڈ کوارٹر کی طرف سے پیچھے ہٹ آئیں اس طرح وہ دشمن کا منہ توڑ سکتے تھے۔

ایک مرتبہ پھر ہمارا یہ صف شکن مجاہد برستی آگ میں کود پڑا اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اس نے پلاٹون تک اپنے میجر صاحب کا پیغام پہنچا دیا۔

اس مرتبہ جب وہ پیغام پہنچا کر واپس لوٹا تو ایک اور کڑا امتحان اس کے سر پر کھڑا تھا۔ اب صورتحال انتہائی مخدوش ہو چکی تھی۔ رات کا اندھیرا گو کہ گہرا ہونے لگا تھا لیکن دشمن کا حملہ اور زیادہ تیز ہو گیا۔ اسکے درجنوں ٹینکوں نے کمپنی ہیڈ کوارٹر کے گرد اپنا گھیرا مکمل کر لیا تھا۔

اب کمپنی ہیڈ کوارٹر بھی غیر محفوظ ہو چکا تھا اور اس کے چاروں اطراف چپہ چپہ زمین پر دشمن آگ برسا رہا تھا جب کہ کمپنی کمانڈر صاحب نے اپنی مختلف پلاٹونوں کو اس طرف سے پسپائی اختیار کرنے کا حکم دیا تھا۔

یہ صورتحال انتہائی خطرناک اور تباہ کن تھی۔ اگر ہمارے پلاٹون کمانڈر کے حکم کے مطابق کمپنی ہیڈ کوارٹر کی طرف آنے لگتے تو وہ دشمن کا لقمہ بن جاتے پوری کمپنی زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہی تھی اور موت کا شکنجہ ان کے گرد تنگ ہونے لگا تھا۔ دشمن اپنا گھیرا اب آہستہ آہستہ تنگ کرنے لگا تھا۔

کمپنی کمانڈر نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ اس جگہ کو چھوڑ جائیں لیکن سوال یہ تھا کہ وہ جائیں کس طرف؟ انہیں کوئی گوشہ محفوظ نظر نہیں آتا تھا۔

سپاہی فدا حسین نے انہیں بتایا کہ ان کا دایاں بازو کسی حد تک محفوظ ہے اس نے اپنے میجر صاحب سے کہا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس طرف نکل جائیں میں باقی پلاٹونوں کو تازہ صورتحال سے آگاہ کر کے آتا ہوں۔ انہوں نے اپنے ملاپ (جسے فوجی زبان میں آر۔وی R-V) کہتے ہیں کے لیے بھی ایک جگہ مقرر کر لی تھی۔ وہ دونوں مجاہد اپنی سمتوں کو روانہ ہو گئے رات کے اندھیرے کو توپوں کے دھانوں سے نکلتی آگ اور گولوں کے پھٹنے سے پیدا ہونے والی روشنی نے دن کے اجالے میں بدل کر رکھ دیا تھا لیکن یہ اللہ کا شیر ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے پھر اپنی پلاٹونوں کی سمت رینگ گیا۔

سپاہی فدا حسین انتہائی ہنس مکھ طبیعت کے مالک تھے۔ ایک مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر ہمیشہ سجی رہتی تھی۔ وہ مسکرا مسکرا کر اپنے ساتھیوں کو ہدایات پہنچاتے اور ہنس ہنس کر ان کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ انہوں نے اپنی دو پلاٹونوں کو باری باری اپنے میجر صاحب کے نئے احکامات اور تازہ صورتحال کی خبر کر دی تھی اور اب وہ تیسری پلاٹون کی طرف کہنیوں اور پیٹ کے بل رینگ کر بڑھ رہے تھے۔

مسلسل تیز رفتاری سے رینگتے رہنے کی وجہ سے ان کے پیٹ پر خراشیں پڑ گئیں تھیں۔ ان کی کہنیوں سے خون رسنے لگا تھا اور قمیض کی آستینیں خون میں بھیگ رہی تھیں لیکن ان کے پائے استقلال میں ذرا فرق نہ آیا۔

ڈر، خوف، گھبراہٹ ان کے نزدیک بھی نہ پھٹکے وہ اپنے وجود سے اپنی تکلیفوں سے بالکل بے نیاز ہو چکے تھے۔ ان کے دماغ میں تو صرف ایک ہی دھن سمائی تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں تک اپنے کمپنی کمانڈر کا پیغام پہنچا دیں تا کہ وہ دشمن کے بزدلانہ حملے سے محفوظ رہ کر اسے منہ توڑ جواب دے سکیں۔

وہ دیوانہ وار اپنے مورچوں کی سمت بڑھ رہے تھے ان کے ارد گرد آگے پیچھے چپے چپے پر گولیاں اور گولے پھٹ رہے تھے۔

جب وہ اپنی اس پلاٹون تک پہنچے تو یہ دیکھ کر ان کا خون کھول اٹھا کہ اس پلاٹون کے جوان بری طرح دشمن کے نرغے میں آ چکے تھے قریباً آدھی پلاٹون شہید ہو چکی تھی جو مجاہد زندہ تھے ان میں سے بھی اکثر زخمی تھے لیکن وہ اپنی جگہ ڈٹے دشمن کو منہ توڑ جواب دے رہے تھے۔

سپاہی فدا حسین کی غیرت ملی نے جوش مارا۔ انہوں نے اپنے جھولے سے یکے بعد دیگرے دو دستی بم نکالے اور ”اللہ اکبر“ کے فلک شگاف نعرے بلند کرتے ہوئے دشمن پر پھینک دیئے جس سے اس کے کئی سپاہی جہنم واصل ہو گئے اور اس کے بڑھتے ہوئے قدم بھی رک گئے۔

اس کے ساتھ ہی سپاہی فدا حسین دیوانہ وار اپنے مورچوں کی طرف بڑھے تاکہ زخمیوں اور شہیدوں کی خبر لیں اور ان لوگوں کو نئی صورتحال بتائیں ابھی وہ مورچوں سے چند گز دور ہی تھے جب ان کو دو گولیاں لگیں۔

انہوں نے پروانہ کی اور رکنے کے بجائے آگے بڑھتے رہے اب رینگنا بھی ان کے لیے مشکل ہو چکا تھا کسی نہ کسی طرح گھسٹتے ہوئے وہ اپنے مورچوں تک پہنچ ہی گئے۔ ابھی وہ بمشکل سر اٹھا کر اپنے ساتھیوں کو پیغام دینا ہی چاہتے تھے کہ دشمن کی مشین گن کا پورا برسٹ ان کے سینے میں لگا وہ الٹ کر اپنے مورچے میں جا گرے۔ اپنے جوانوں نے بے اختیار آگے بڑھ کر انہیں سنبھالا۔ سپاہی فدا حسین نے مسکراتے ہوئے انہیں اپنے کمانڈر کا پیغام دیا اور اسی طرح ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے خدا کی عدالت میں پہنچ گئے۔ جہاں جنت کی حوریں ان کے استقبال کو تیار کھڑی تھیں۔

انہیں بھی تمغۂ جرأت سے نوازا گیا۔

............☆☆☆............

منزل کی روشنی

آپ نے شاید جنرل اعظم خاں کا نام سنا ہوگا۔ جنرل اعظم خان پاکستان کے ایک مایہ ناز سپوت تھے۔ جب مرحوم صدر ایوب برسراقتدار آئے اور ملک میں مارشل لاء نافذ ہوا تو جنرل اعظم خاں نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کا ایسا شاندار مظاہرہ کیا کہ دنیا بھر کا پریس انہیں داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

ان دنوں مشرقی پاکستان میں ہندو اور پاکستان دشمن عناصر نے صوبائی تعصب کی آگ کو خوب ہوا دے رکھی تھی اور ہمارے بنگالی بھائی مغربی پاکستان کے لوگوں سے شدید نفرت کرتے تھے۔ اس کی وجہ ایک تو ان کی فطری سادہ لوحی تھی، دوسری بڑی وجہ تعلیم کی کمی، کیونکہ ان پڑھ لوگ خود تو اخبارات وغیرہ نہیں پڑھ سکتے اس لیے وہ عموماً سنی سنائی باتوں پر ہی یقین کر لیا کرتے ہیں۔ دوسری طرف دشمن کا پراپیگنڈہ بھی بڑا زبردست تھا۔ اس پروپیگنڈے کا اثر تھا کہ 1971ء میں بالآخر ہمارا یہ بازوئے شمشیر زن ہم سے علیحدہ ہو گیا۔

جنرل اعظم خان مشرقی پاکستان میں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹو بن کر گئے تو انہوں نے چند ہفتوں میں ہی ان لوگوں کے دل موہ لیے اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ وہی لوگ جو نفرت کے مارے سیدھے منہ کسی مغربی پاکستانی سے بات بھی نہیں کیا کرتے تھے جب جنرل اعظم خان مشرقی پاکستان سے رخصت ہونے لگے تو وہ لوگ بچوں کی طرح دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔

انہوں نے آنسوؤں سے بھیگی آنکھوں سے اپنے اس قابل فخر جنرل کو رخصت کیا۔

اس قابل فخر جنرل کو اللہ تعالیٰ نے ایک مایہ ناز وطن پرست بھائی بھی عطا کیا تھا اور وہ تھے میجر فخر عالم شہید۔

میجر فخر عالم شہید کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ پاکستانی فوج کے ان ہراول دستوں میں سے ایک کی قیادت کر رہے تھے جنہوں نے کشمیر سیکٹر میں جوڑیاں چھاؤنی کو روند ڈالا اور

دشمن کو وہاں سے مار بھگایا تھا۔ جوڑیاں کے مضبوط قلعے پر دشمن کو بڑا فخر تھا اور بھارتی جرنیل سمجھتے تھے کہ یہ ناقابل تسخیر چھاؤنی ہے۔

لیکن پاکستان صف شکن افواج نے مناور اور توی کو عبور کر کے اس برق رفتاری سے دشمن پر حملہ کیا کہ وہ بوکھلا کر رہ گیا اور وہاں سے دم دبا کر بھاگ اٹھا۔ اسی محاذ پر اپنی پٹائی سے بری طرح بوکھلا کر اور تلملا کر دشمن نے سارے پاکستان پر حملہ کر دیا تھا۔

میجر فخر عالم ایک ٹینک سکواڈرن کی کمانڈ کر رہے تھے۔ ان کے ٹینکوں نے جوڑیاں کی فتح میں بڑا بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ وہ حملہ کرتے وقت سب سے اگلے ٹینک میں کھڑے ہو کر حملے کی کمان کیا کرتے تھے اور میدان جنگ پر بغور نظر رکھنے کے بعد اپنے ساتھیوں کو ہدایات جاری کرتے تھے۔

جوڑیاں پر اپنا قبضہ مکمل کرنے کے بعد پاکستانی افواج کو جوڑیاں سے آگے بڑھنے کا حکم ملا تا کہ دشمن کو اس کی جارحیت کا منہ توڑ جواب دیا جائے اور اسے ایسا سبق سکھایا جائے کہ آئندہ وہ کبھی پاکستان پر حملہ کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لا سکے۔

پاکستان کی بہادر افواج اپنی سابقہ روایات کے مطابق بڑی برق رفتاری سے پیش قدمی کر رہی تھیں۔ دشمن نے جوڑیاں سے پسپائی اختیار کرنے کے بعد بڑے زبردست مورچے بنا لئے تھے اور وہ کنکریٹ کے بنے ہوئے بنکروں میں منتقل ہو چکا تھا۔

لیکن پاکستانی ایڈوانس کرنے والے مجاہد ان باتوں کو کب خاطر میں لاتے تھے انہوں نے دشمن کو ناکوں چنے چبا دیئے اور اتنا زوردار اور تیز حملہ کیا کہ کم تعداد ہونے کے باوجود دشمن کو روندتے ہوئے جوڑیاں سے چار میل آگے نکل گئے۔

اس جگہ کا نام دیوی پورہ تھا۔

دیوی پورہ پر گھمسان کی جنگ ہوئی دشمن نے یہاں زبردست تیاریاں کر رکھی تھیں بلکہ وہ منتظر تھا کہ کب پاکستانی فوجیں دیوی پورہ تک پہنچیں اور وہ اپنے ارمان نکال سکے۔ یہ

الگ بات کہ ان بے چاروں کے دل کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔

دیوی پورہ کے معرکے میں میجر فخر عالم شہید ایک ٹینک سکواڈرن (دستے) کی قیادت کر رہے تھے ان کا ٹینک حسب سابق آگے تھا اور وہ دشمن کی بے پناہ گولہ باری کی پروا کیے بغیر اپنے ٹینک کا ڈھکن اوپر اٹھائے اپنے سامنے دشمن کے مورچوں پر نظریں جمائے میدان جنگ کی صورتحال کا جائزہ لے کر اپنے ساتھیوں کو ہدایات دے رہے تھے۔

ان کے جوان ان کے ساتھ ٹینک میں موجود تھے۔ ان سے کئی مرتبہ درخواست کی کہ وہ ٹینک میں بیٹھ جائیں لیکن اس جواں ہمت جانباز میجر نے بیٹھنے سے انکار کر دیا وہ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتے تھے۔

”میرے نزدیک صرف وہی شخص افسر کہلا سکتا ہے جو میدان جنگ میں سب سے آگے ہو اور دشمن کے عین سامنے کھڑے ہو کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے دو دو ہاتھ کرے۔“

دونوں اطراف سے بڑے غضب کی گولہ باری ہو رہی تھی دشمن اپنے مورچوں میں دبکا بیٹھا تھا اور ہمارے جوان کھلے میدان میں بغیر کسی آڑ کے اس پر یلغار کر رہے تھے۔

عین ان لمحات میں میجر فخر عالم شہید کے ٹینک کا وائرلیس سیٹ خراب ہو گیا۔ اب ان کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ ٹینک چھوڑ کر پیچھے آ جائیں لیکن ان کی غیرت نے یہ گوارہ نہ کیا کیونکہ وہ تو اسے افسر ہی نہیں مانتے تھے جو پیچھے چلا جائے۔

میجر فخر عالم نے پیغام رسانی کے متبادل ذرائع استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا وہ اپنے ٹینک میں بدستور کھڑے آنکھوں سے دوربین لگائے میدان جنگ کا جائزہ لے رہے تھے کہ اچانک ایک گولہ ان کے فضا میں لہراتے ہاتھ سے ٹکرایا اور اسے کاٹ کر پرے پھینک دیا۔

میجر صاحب نے بڑی استقامت کا مظاہرہ کیا اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب ہو کر کہا۔

”میرے شیرو! میرا یہ بازو تم خود دفنانا اسے کافروں کے ہاتھ نہ لگنے دینا۔“

ان کا ایک بازو کٹ کر جسم سے الگ ہو چکا تھا۔ بے تحاشا خون فوارے کی طرح جاری تھا لیکن وہ اپنی ہمت کے بل بوتے پر ٹینک سے کود کر باہر نکلے اور اپنے قدموں سے چلتے ہوئے جیپ تک آ گئے وہ خود "میڈیکل کور" کی جیپ میں بیٹھے جہاں انہیں ابتدائی طبی امداد دی گئی۔

لیکن ان کے جسم سے خون کسی بھی طرح بند نہیں ہو رہا تھا۔ جب جیپ وہاں سے روانہ ہونے لگی تو اس شیر دل، مجاہد اسلام نے بلند آواز میں اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا۔

"جانبازو آگے ہی آگے بڑھتے جاؤ دور جو دشمن کی توپوں سے نکلتی آگ نظر آ رہی ہے وہ آگ نہیں تمہاری منزل کی روشنی ہے۔"

پاکستان آرمی کی "میڈیکل کور" کے جو ڈاکٹر میجر فخر عالم شہید کے ساتھ جیپ میں ملٹری ہسپتال تک آئے ان کا بیان ہے۔

"میں حیران تھا کہ وہ اتنا بے تحاشا خون بہہ جانے اور پورا بازو کٹ جانے کے بعد بھی ابھی تک اپنے ہوش و حواس قائم رکھے ہوئے تھے اور بجائے اس کے کہ ہم انہیں حوصلہ دیں، الٹا وہ ہمیں تسلیاں دے رہے تھے۔ جب انہیں ہسپتال پہنچایا گیا تو ان کے چہرے پر فکر و تردد کا نام و نشان تک نظر نہیں آتا تھا۔ جب ہم لوگ اس مجاہد کو اپریشن تھیٹر کی طرف لے جا رہے تھے تو اس نے مسکراتے ہوئے ہم سے کہا۔

"تم لوگ بالکل نہ گھبراؤ۔ میں اتنی جلدی مرنے والا نہیں۔ میرے زخمی ہونے کی خبر گھر والوں کو نہ پہنچانا، میں ابھی رو بصحت ہو کر واپس اگلے مورچوں میں جانا چاہتا ہوں"

لیکن خداوند تعالیٰ نے ان کا امتحان لے لیا تھا اور وہ اس میں کامیاب رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے ملک و قوم کی جو خدمت لینا تھی وہ میجر فخر عالم کر گزرے تھے۔

ان کی حالت آہستہ آہستہ بگڑنے لگی۔ ایک مرحلہ ایسا آ گیا جب ڈاکٹر ان کی زندگی سے بالکل مایوس ہو گئے اس وقت جب وہ زندگی کی آخری گھڑیاں گزار رہے تھے انہیں صرف

ایک ہی فکر ستا رہی تھی۔

وہ اپنے ڈاکٹروں سے بار بار پوچھتے تھے۔

"دیوی پورہ فتح ہو گیا؟"

"میرے سکواڈرن کی کوئی خبر ہے؟"

"میرے کتنے جوان شہید ہوئے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ

اب تک ان کا زندہ رہ جانا بھی کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ شاید قدرت نے انہیں اب تک فتح کی خوشخبری سننے کے لیے زندہ رکھا تھا۔ نقاہت بڑھتی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر ان کی زندگی بچانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے کہ اچانک میجر فخر عالم نے قریباً نیم بے ہوشی میں اپنے ڈاکٹروں سے دوبارہ پوچھا۔

"دیوی پورہ فتح ہو گیا؟"

اس وقت ابھی یہ خبر وہاں پہنچی ہی تھی۔ ان کا اردلی ان کے سرہانے کھڑا تھا کہ اس کے صاحب کو ہوش آئے تو وہ انہیں فوراً یہ خوشخبری سنا دے اپنے میجر صاحب کو ہوش میں آتے دیکھ کر اس نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

"سر! دشمن بھاگ گیا دیوی پورہ فتح ہو گیا۔" ایک مسکراہٹ میجر فخر عالم شہید کے ہونٹوں پر آئی، انہوں نے آہستہ سے کچھ کہا جو سنا نہیں جا سکا اور مسکراتے ہوئے اپنی جان اس خدا کے حضور سونپ دی جو ہم سب کا مالک ہے اور جس کی طرف ہم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

............☆☆☆............

اور پل اُڑ گیا

6 ستمبر کو دشمن نے جو حملہ کیا تھا اس میں اس نے اپنی قریباً ساری ہی فوج کو جھونک دیا۔ یہ انسانوں اور فولاد کا مقابلہ تھا۔ اگر دونوں اطراف کی فوجی قوت کا جائزہ لیا جاتا تو دنیا کا کوئی بھی شخص یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ پاکستانی افواج اس جنگ میں دشمن کے دانت کھٹے کر دیں گی۔

اس کی وجہ صرف یہی نہیں کہ دشمن کی افرادی قوت زیادہ تھی بلکہ اس کے پاس ہماری ایک توپ کے مقابلہ میں 20 توپیں موجود تھیں اس سے پہلے 62ء میں چین کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد ساری دنیا کے آگے رو رو کر اپنی مظلومیت کی جھوٹی کہانیاں سنا سنا کر لاکھوں ٹن گولہ بارود اکٹھا کر چکا تھا۔

یہ سارا سامان جنگ بھارت نے بظاہر تو چین کے مقابلے کے لیے اکٹھا کیا تھا لیکن اصلیت کا علم بھی دنیا کے ہر ذی شعور شخص کو تھا۔

پھر وہی ہوا اس جنگ میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ دراصل بھارت کی تمام تر جنگی تیاریاں پاکستان کے خلاف تھیں اور اس نے وہ اسلحہ جو دنیا بھر سے اس نے اس ضمانت کے ساتھ اکٹھا کیا تھا کہ وہ اسے صرف چین کے خلاف اس کے حملے کی صورت میں استعمال کرے گا پاکستان کے خلاف استعمال کیا۔

لاہور پر دشمن کا حملہ سیالکوٹ کی طرح بہت زوردار تھا۔ بیدیاں سیکٹر میں بمبانوالی کے نزدیک نہر پر ایک پل بنا ہوا ہے دشمن نے اس جگہ سے پل عبور کر کے لاہور میں داخل ہونا تھا۔ اس طرح کے اور بھی کئی پلوں کے ذریعے اس نے بی آر بی کو عبور کرنا تھا۔ ہماری افواج کی تعداد دشمن کے مقابلے میں چونکہ نہ ہونے کے برابر تھی اور لاہور کا محاذ بھی خاصے لمبے چوڑے رقبے پر پھیلا ہوا تھا اس لیے پاکستانی فوج نے بی آر بی کو دفاعی لائن کی حیثیت دے دی۔

دشمن کو لاہور میں داخل ہونے کے لیے اس نہر کو عبور کرنا تھا اور پاکستانی افواج نے اس کو داخل ہونے سے روکنا تھا دونوں فوجیں ایک دوسرے کے خلاف زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہی تھیں لیکن دونوں میں ایک بنیادی فرق تھا۔

بھارتی فوج حملہ آور اور غاصب تھی جبکہ پاکستانی فوج اپنے ملک و ملت کا دفاع کر کے دشمن کے خلاف اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی تھی۔ اس لیے ہر محاذ پر اللہ تعالیٰ نے حق کا ساتھ دیا اور اپنی بقا کی لڑائی لڑنے والوں کو دشمن کے خلاف ہر محاذ پر زبردست کامیابیاں نصیب ہوئیں۔

بی آر بی نہر پر بنے مختلف پلوں پر بڑے خونریز معرکے لڑے گئے۔

ان میں سے ہر پل کی کہانی حریت اور وطن دوستی سے بھرپور ہے۔ بمبانوالی کے مقام پر بھی ایک ایسا ہی پل بنا ہوا تھا۔

دشمن نے اس طرف سے اپنے حملے کا دباؤ باقی مقامات سے بہت زیادہ رکھا ہوا تھا تاکہ وہ اس پل پر قابض ہو کر اپنا بھاری اسلحہ دوسری طرف منتقل کر سکے اور اپنے گھٹیا مقاصد میں کامیابی اسے نصیب ہو۔

6 ستمبر کو علی الصبح دشمن اپنے سنچورین ٹینکوں کے ساتھ جنہیں ٹینکوں کی بجائے فولادی قلعے کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ بمبانوالی کے اس پل کی طرف یلغار کر رہا تھا۔ دشمن کے ذہن میں یہ بات پہلے سے موجود تھی کہ پاکستانی فوج اس پل کو اڑانے کی کوشش کرے گی تاکہ دشمن کو نہر کے مغربی کنارے پر روکا جا سکے۔

اسی لیے اس نے پل کے ارد گرد کئی میل تک اسی طرح گولہ باری کی کہ زمین کے ایک ایک انچ پر اس کے گولے پھٹ کر قیامت کا سماں پیدا کر رہے تھے۔ اس تباہ کن گولہ باری کے دوران صوبیدار عنایت حسین اپنے سرفروش ساتھیوں کی ایک جماعت لیکر جو تعداد میں نہ ہونے کے برابر تھی پل کے دوسری طرف جسے مغربی کنارہ کہتے ہیں اتر گئے۔

ان لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ مجاہد پل کو اڑا دیں تا کہ نہر کا دوسرا کنارہ بھارتی درندوں کی یلغار سے محفوظ ہو جائے۔

پل کو اڑانے کے لیے اس میں پہلے ڈائنامیٹ لگایا جاتا ہے پھر اسے دھماکے سے اڑایا جاتا ہے۔ اس تباہ کن گولہ باری میں ڈائنامیٹ لگانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ صوبیدار عنایت اللہ کے سیکنڈ ان کمانڈ حوالدار محمد شریف تھے۔

صوبیدار صاحب نے اپنے ساتھیوں کو دو گروپوں میں تقسیم کر دیا ایک گروپ کی کمان خود انہوں نے سنبھال لی اور دوسرے گروپ کی کمان حوالدار محمد شریف کو سونپ دی۔

پہلا گروپ پل کے آگے نکل گیا جس کی کمان وہ خود کر رہے تھے۔ ان لوگوں کا کام یہ تھا کہ وہ پل سے آگے نکل کر حملہ آور فوج کو روکیں۔

دوسرا گروپ جس کی کمان حوالدار محمد شریف کے ہاتھ میں تھی اس کا کام ڈائنامیٹ لگا کر پل کو اڑانا تھا۔ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ حوالدار صاحب نے خود فوراً پل میں ڈائنامیٹ لگانا شروع کر دیا اس کا طریقہ یوں تھا کہ وہ لوگ پل کے ساتھ ڈائنامیٹ باندھ کر اس کی تار کا سلسلہ ایک بیٹری سے ملاتے اور یہ کام مکمل ہونے کے بعد جب وہ ایک لیور دباتے تو پل دھماکے سے اڑ جاتا۔

صوبیدار عنایت حسین اور ان کے ساتھی پل سے کچھ آگے نکل گئے۔ ابھی وہ بمشکل پچاس ساٹھ گز دور ہی گئے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ دشمن کے تین چار ٹینک اس طرف آ رہے ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے ان کی پیدل فوج کے جوان ”جے ہند، جے ہند“ کے نعرے لگاتے پل پر قبضہ کرنے آ رہے ہیں۔

صوبیدار صاحب کے حکم پر ان کے ساتھیوں نے فوراً وہیں بکھر کر پوزیشن سنبھال لی۔ انہوں نے اپنے راکٹ لانچروں کے ذریعے یکے بعد دیگرے فائرنگ کر کے کئی ٹینک تباہ کر دیئے اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی فائرنگ کا رخ پیدل فوج کی طرف کر دیا۔

وہی فوج جو چند منٹ پہلے ”جے ہند“ کے نعرے لگاتی آ رہی تھی اب دم دبا کر بھاگ گئی۔ ابھی تک انہیں کسی مزاحمت کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے سمجھا یہ کوئی بہت بڑی فوج ہے جو چھپ کر ان کے لیے گھات لگائے بیٹھی تھی اور جس نے اچانک فائرنگ کر کے ان کے ٹینکوں کا ستیاناس کر دیا ہے۔

لیکن...... جلد ہی انہیں اپنی بے وقوفی کا احساس ہو گیا۔

فوج میں ایک خاص شعبہ ہوتا ہے جس کو ”لوکیٹنگ بیٹری“ کہتے ہیں۔ ”لوکیٹنگ“ انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے ”تلاش کرنا“ اس بیٹری سے متعلق لوگوں کے ذمے یہ کام ہوتا ہے کہ وہ دشمن کے اسلحے کی فائرنگ کی آواز سے اس کے اسلحے اس کی تعداد اور اہمیت کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

اسی شعبے کے لوگوں نے رپورٹ دی کہ وہاں تو بمشکل چار پانچ پاکستانی فوجی ہیں یہ سنتے ہی بھارتی ”ٹڈی دل“ واپس پلٹ آیا۔ سینکڑوں کی تعداد میں بھارتی فوجیوں نے صوبیدار عنایت حسین کے گروپ پر حملہ کر دیا۔ ان پیدل فوجیوں کی مدد کو ٹینکوں کے دو سکواڈرن بھی آ گئے صوبیدار عنایت حسین نے سوچا اگر وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے تو دشمن ان کو روندتا ہوا آگے نکل جائے گا اور اس کے ساتھیوں کے پل اڑانے سے پہلے وہ پل پر قبضہ کر کے اپنا بھاری اسلحہ نہر کے پار پہنچا دے گا۔ دوسری صورت میں اگر وہ شہید بھی ہو گئے تو کم از کم ان کے ساتھیوں کو کام کرنے کی مہلت تو مل جائے گی اور وہ با آسانی پل اڑا کر بھارتی فوج کی پیش قدمی اس طرف روک دیں گے۔

انہوں نے اپنے حوصلہ مند ساتھیوں کی طرف دیکھا جو اپنے جانباز کمانڈر کے حکم پر عمل کرنے کے لیے تیار تھے اور وہ لوگ دشمن کے مقابلے پر ڈٹ گئے۔

ان کے ساتھیوں نے ایسا دلیرانہ مقابلہ کیا کہ بھارتیوں کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ ان کی پیش قدمی رک گئی اور حوالدار محمد شریف اور ان کے ساتھیوں نے اس اثناء میں

بمبانوالی کا پل اڑا کر نہر کے مشرقی کنارے کو محفوظ کر لیا۔

یہ مشن تو مکمل ہو گیا تھا لیکن صوبیدار عنایت حسین شہید ہو چکے تھے۔ وہ اپنی جگہ ڈٹے رہے اور دشمن کے ایک ٹینک پر لگی سٹین گن نے انہیں شہید کر ڈالا۔ شہید ہونے سے پہلے وہ اپنا فرض پورا کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں یہ خبر سن لی تھی کہ پل اڑایا جا چکا ہے۔

ان کا ایک ساتھی کسی نہ کسی طرح دوسرے گروپ تک جا پہنچا جس نے حوالدار محمد شریف کو صوبیدار صاحب کی شہادت کی خبر پہنچائی۔ پاکستانی فوجی اپنے ساتھیوں کا مرنے کے بعد بھی احترام کرتے ہیں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کے ساتھی کی لاش دشمن کے ناپاک ہاتھوں تک نہ پہنچ پائے اور وہ اپنے ہاتھوں اپنے شہید ساتھی کو دفن کریں۔

یوں بھی اپنے زخمی ساتھی یا لاش کو دشمن کے علاقے میں چھوڑنا فوجیوں کی شان کے خلاف ہے۔ حوالدار محمد شریف اس قیامت کی گولہ باری میں بھی کسی بات کو خاطر میں نہ لائے اور اپنی جان پر کھیل کر صوبیدار کی لاش تک جا پہنچے وہ پہلے اپنے شہید صوبیدار کی لاش اٹھا کر نہر تک لائے اور پھر لاش سمیت نہر پار کر کے اپنے مورچوں میں جا پہنچے۔

یہ ساری کارروائی 7 ستمبر کو صبح پانچ بجے تک انجام پا چکی تھی۔ اس کے بمشکل چار پانچ گھنٹے بعد ہی حوالدار محمد شریف اپنے اکیس ساتھیوں کے ہمراہ ایک کمانڈو آپریشن کے لیے روانہ ہو گئے۔

کمانڈو آپریشن کا کام انتہائی دشوار اور خطرناک ہوتا ہے ان کے بچنے کے امکانات بہت کم اور شہید ہونے کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

حوالدار محمد شریف کو حکم ملا کہ وہ نہر پار کر کے چھپتے چھپاتے دشمن کے عقب میں چلے جائیں اور اس کی پشت سے حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیں۔ وہ لوگ جان جوکھوں میں ڈال کر دشمن کے عقب میں جا پہنچے۔ حوالدار محمد شریف نے اپنے راکٹ لانچر کے ذریعے فائرنگ

کر کے دشمن کے چار سنچورین ٹینک تباہ کر دیئے۔

یہ حملہ اتنا اچانک اور زوردار تھا کہ دشمن کے ایک افسر نے گرفتار ہونے کے بعد بتایا۔

"ہم لوگ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ پاکستانی جوان اس طرح اچانک ہمارے عقب سے حملہ کریں گے۔ ہمیں ہوش اس وقت آیا جب اچانک ہم نے اپنے عقب میں "نعرہ تکبیر اللہ اکبر" کے زوردار نعرے سنے۔ اس سے پہلے کہ ہم سنبھل پائیں۔ پاکستانی فوجیوں نے اتنا زوردار اور بھرپور حملہ کیا کہ ہمارے سینکڑوں جوان مارے گئے یا زخمی ہو گئے۔ انہوں نے ہمارے ٹینکوں کو اتنی مہلت بھی نہ دی کہ وہ اپنی گنوں کا رخ ان کی طرف موڑ سکیں اور اس سے پہلے ہی ہمارے کئی ٹینک تباہ کر دیئے۔"

حوالدار محمد شریف اور ان کے ساتھیوں کے اس حملے نے دشمن کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ وہ بوکھلا اٹھا اور دم دبا کر بھاگ گیا۔ اس کے ساتھ ہی ان کے چاروں طرف پھیلی بھارتی فوج حرکت میں آ گئی۔ ان لوگوں کو اب پاکستانی مجاہدوں کی موجودگی اور ان کی پوزیشنوں کا علم تو ہو ہی چکا تھا۔ چاروں طرف سے ان پر بارش کی طرح گولیاں اور گولے برسنے لگے۔

حوالدار محمد شریف جو نہ صرف فائرنگ کر کے دشمن کے ٹینکوں کو تہس نہس کر رہے تھے بلکہ بڑے جوش اور ولولے کے ساتھ اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بھی بڑھا رہے تھے کہ اچانک ایک گولہ ان کے عین درمیان آ کر پھٹا جس سے حوالدار صاحب شہید ہو گئے۔ ان کی دلیرانہ شہادت نے پاکستانی جوانوں کا حوصلہ اور زیادہ بڑھا دیا اور جنگ بندی تک انہوں نے دشمن کو اس جگہ سے ایک انچ بھی آگے نہ آنے دیا۔

ان کی قربانیوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے فوج نے انہیں تمغۂ جرأت سے نوازا۔

..........☆☆☆..........

سہرے والی قبر

ستمبر 1965ء کی جنگ کے خاتمے پر جب فائر بندی ہو چکی تھی تو دنیا بھر کے نامہ نگاروں کی ایک ٹیم نے بھارت اور پاکستان کے جنگی محاذوں کا دورہ کیا تھا تا کہ وہ لوگ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ سکیں۔

لاہور کے واہگہ سیکٹر میں بی آر بی نہر کے مختلف مقامات پر شہیدوں کی قبریں بنی ہوئی تھیں۔ یہ وہ شہید تھے جو اپنے وطن اور اپنی قوم کی حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے تھے۔ انہوں نے اپنی جانیں پاکستان پر نثار کر دی تھیں۔

پاکستانیوں نے بھی ان کی قربانیوں کو یاد رکھا اور جس جس مقام پر یہ جوان شہید ہوئے وہاں وہاں عقیدت و احترام سے انہوں نے ان کی قبریں بنائیں جہاں قریبی دیہاتوں کے لوگ اکثر جا کر دیئے وغیرہ جلایا کرتے تھے۔

یہ نامہ نگار جب واہگہ سیکٹر میں نہر کے کنارے ایک ایسی ہی جگہ پہنچے جہاں یہ قبریں بنی ہوئی تھیں تو ایک قبر کے نزدیک وہ بے اختیار رکنے پر مجبور ہو گئے۔

اس قبر پر ایک سہرا رکھا ہوا تھا یہ سہرا کسی نے اپنے گھر میں رنگین دھاگوں سے تیار کیا تھا یہ منظر دیکھ کر اکثر اخباری نمائندوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ظاہر ہے یہ کسی شہید کی قبر تھی جس پر اس کے عزیز نے یہ سہرا لا کر رکھ دیا تھا۔

ان لوگوں کا تجسس بڑھا اور وہ اس سہرے کی کہانی ڈھونڈنے نکل گئے۔

یہ لانس نائیک موسیٰ خان شہید کی قبر تھی! لانس نائیک موسیٰ خان کا تعلق (انفنٹری پیدل فوج) سے تھا۔ انہیں واہگہ اور برکی سیکٹر کے درمیان ایک جگہ اپنے تین ساتھیوں سمیت مورچہ سنبھالنے کا حکم ملا اور یہ چاروں شیر دل جوان اپنے مورچوں میں ڈٹ گئے۔

اس نہر کے چپے چپے پر دشمن نے قبضہ کرنے کے لیے جان کی بازی لگا رکھی تھی دشمن

پر جنون سوار تھا کہ کسی نہ کسی طرح نہر عبور کر کے وہ لاہور پر قبضہ کر لے۔

بھارتی فوجیوں کو ان کے کمانڈروں نے بتایا تھا کہ لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد وہ جی بھر کے لوٹ مار کر سکیں گے اور لوٹ مار کے لالچ نے انہیں اتنا اندھا کر رکھا تھا کہ وہ مال اکٹھا کرنے کے چکر میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس نہر کے چپے چپے پر پاکستانی فوج کے غازیوں اور شہیدوں نے جرأت و ہمت کی وہ لازوال داستانیں لکھی ہیں جو رہتی دنیا تک یاد رکھی جائیں گی۔

لانس نائیک موسیٰ خاں کی کہانی بھی انہیں میں سے ایک ہے۔

یہ بہادر سپاہی اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ مورچہ بند تھا جب ان پر دشمن کے تین سو فوجیوں نے حملہ کر دیا۔ لانس نائیک موسیٰ خاں اور ان کے ساتھیوں نے جب دیکھا کہ دشمن نے اتنی زیادہ تعداد کے ساتھ حملہ کیا ہے تو بکھر کر دشمن کے سامنے ڈٹ گئے۔

انہوں نے الگ الگ مورچے سنبھال رکھے تھے اور ہر جوان نے دل ہی دل میں قسم کھائی تھی کہ اب دشمن اس کی لاش پر سے گزر کر ہی آگے جائے گا۔

چار آدمی تین سو آدمیوں کا مقابلہ تو کرنے سے رہے جب کہ دشمن کے پاس اسلحہ بھی زیادہ اور بہتر تھا لیکن...... یہ دیکھ کر دشمن کے کمانڈر بھی دنگ رہ گئے کہ موسیٰ خاں اور ان کے تین ساتھی تو ان کے تین سو فوجیوں پر بھی بھاری پڑ رہے تھے۔ انہوں نے اپنی پوزیشن بدل بدل کر اتنی موثر اور زوردار فائرنگ کی کہ دشمن بوکھلا اٹھا اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلا۔

دوبارہ اپنے کمانڈروں کے طیش دلانے پر وہ لوگ پلٹے اور زیادہ زوردار حملے کرنے لگے۔ پھر وہ وقت بھی آ گیا جب ایک ایک کر کے لانس نائیک موسیٰ خاں کے تینوں ساتھی شہید ہو گئے۔

وہ اکیلے رہ گئے تھے لیکن انہوں نے یہ گوارہ نہ کیا کہ اپنے لیے مدد مانگیں۔ لانس نائیک موسیٰ خاں جانتے تھے کہ ان کی تعداد دشمن کے مقابلے میں بہت کم ہے اور جو کچھ کرنا

ہے انہی کو کرنا ہے کیو نکہ وہاں تو "ریزرو" میں کوئی باقی ہی نہیں بچا تھا۔ سب جوان دشمن کے خلاف صف آراء تھے۔ وہ خدا پر بھروسہ کر کے اپنی جگہ ڈٹے رہے۔ اس دوران یکے بعد دیگرے دو گولیاں ان کے جسم میں لگیں۔ لیکن انہوں نے ہمت نہ ہاری اور مشین گن سے دشمن پر فائرنگ جاری رکھی۔ اپنے جسم سے اتنا خون بہہ چکا تھا کہ ان پر نقاہت طاری ہونے لگی۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب لانس نائیک موسیٰ خاں اپنے مورچے میں گر پڑے۔

عین ان لمحات میں ان کی کمپنی نے حملہ کر کے دشمن کو مار بھگایا، جب ان کے ساتھی اپنے جانباز کی مدد کو پہنچے تو وہ زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے۔

جب کمپنی کا ڈاکٹر ان کی مرہم پٹی کرنے ان کی طرف بڑھا تو انہوں نے گردن کے اشارے سے اسے منع کر دیا۔ وہ آہستہ آہستہ منہ میں کچھ بڑبڑا رہے تھے۔

ان کے کمپنی کمانڈر اپنے شہید پر جھک گئے انہوں نے سنا لانس نائیک موسیٰ خاں کہہ رہے تھے۔

"میری لاش کو اسی جگہ دفن کر دینا۔"

اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ قرآنی آیات پڑھتے ہوئے اپنے خدا کے حضور جا پہنچے۔ جہاں جنت کے دروازے پر حوریں ان کی منتظر تھیں۔

شہید کی خواہش کے مطابق ان کو وہیں دفن کر دیا گیا۔

فائر بندی کے بعد ان کی بوڑھی والدہ اپنے بیٹے کی قبر پر آئی تو وہ اپنے ساتھ ایک سہرا بنا کر لائی تھیں۔ انہوں نے سہرا اپنے بیٹے کی قبر پر رکھ کر ان کی قبر کی مٹی کو چوم کر کہا۔

"بیٹا! دولہا تو بن گئے۔ سہرا بھی پہن لیا ہوتا۔"

اس کے بعد ان کی بہادر ماں نے اس کمپنی کے جوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ میرے بیٹے کے باراتی تو بن گئے۔ لیکن اسے سہرا لگانا بھول گئے۔"

اتنا کہہ کر وہ بڑے فخر سے قدم اٹھاتی ہوئی واپس اپنے گاؤں چلی گئیں۔

وقت کی آندھیوں نے اب شاید اس قبر اور سہرے کا نام و نشان ہی مٹا دیا ہو۔ لیکن لانس نائیک موسیٰ خاں اپنے ساتھیوں کے دلوں میں زندہ رہیں گے۔

ہم ایسی بہادر ماں کو سلام کرتے ہیں، جس نے موسیٰ خاں جیسے دلیر اور غیور سپاہی کو جنم دیا۔

............☆☆☆............

تمہاری ٹانگ چھوٹی ہے

1951ء میں پاکستان ایئر فورس کے ایک بھرتی کے دفتر (ریکروٹنگ آفس) میں ایک نوجوان ایئر فورس میں بطور پائلٹ بھرتی ہونے کے لیے آیا۔

اس نے اس سلسلے میں سارے امتحان کامیابی سے پاس کر لیے لیکن میڈیکل ٹیسٹ میں وہ ناکام رہا۔ اس نوجوان کو بڑی مایوسی ہوئی کیونکہ بڑی چھوٹی عمر ہی میں اس نے ایئر فورس میں بطور پائلٹ بھرتی ہونے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اسی لئے وہ دن رات پڑھائی میں لگا رہتا اور اس نے تمام امتحان بڑے اچھے نمبروں میں اور کامیابی کے ساتھ پاس کیے تھے۔

اس نوجوان نے اپنے ریکروٹنگ افسر سے پوچھا کہ اسے میڈیکل ٹیسٹ میں کامیاب کیوں قرار نہیں دیا گیا۔

"تمہاری ایک ٹانگ دوسری ٹانگ سے چھوٹی ہے اور تم ہواباز نہیں بن سکو گے۔" افسر نے جواب دیا۔

نوجوان افسر کی بات سن کر مایوس نہ ہوا اور اس نے اس فیصلے کے خلاف اپیل کر دی۔ ابتدائی مراحل میں اس کی اپیل مسترد کر دی گئی لیکن نوجوان نے ہمت نہ ہاری اور اس نے بڑے بورڈ کے سامنے اپیل کر دی۔ اس کے جذبے اور مستقل مزاجی نے بالآخر پاکستان ایئر فورس کو مجبور کر دیا کہ وہ اس کی بات مان لیں۔

اس طرح علاؤالدین کو جنہیں ان کے دوست پیار سے "بچ" کہتے تھے پاکستان ایئر فورس میں کمیشن مل گیا۔

دوران تربیت جب ان کی ہوابازی کی مہارت ان کے انسٹرکٹروں کے سامنے آئی تو وہ حیران رہ گئے۔ کیونکہ علاؤالدین ان کی توقعات سے کہیں زیادہ بڑھ کر کامیاب اور بہترین ہواباز ثابت ہوئے۔

1965ء میں یہ نوجوان سکواڈرن لیڈر علاؤالدین بچ بن چکا تھا۔ 6 ستمبر سے پاکستان فضائیہ حرکت میں آ چکی تھی اور اس نے حقیقی معنوں میں بھارتی ایئر فورس کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ علاؤالدین بھی روزانہ کسی نہ کسی حملے کی کمان کرتے اور دشمنوں پر قہر بن کر ٹوٹتے تھے۔

انہوں نے دن رات جنگی خدمات انجام دیں ان کے زیر کمان 20 مہمیں روانہ کی گئیں اور وہ ہر مہم سے کامیاب و کامران لوٹے۔ ان کی بہادری اور ہر دلعزیزی کا یہ عالم تھا کہ ہر پائلٹ کی خواہش ہوتی کہ وہ ان کی کمان میں دشمن پر حملہ کرے۔

وہ اپنی باتوں سے اپنے ساتھیوں کا خون گرمائے رکھتے اور اپنے عمل سے ان کے لیے ایسی مثال قائم کرتے تھے کہ جس پر چلنا ان کے ساتھیوں کے لیے باعث سعادت تھا۔

اس روز بھی علاؤالدین بچ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک حملے کی قیادت کر رہے تھے۔ اس کا رخ مشرقی پنجاب (بھارت) کے ایک شہر گورداسپور کی طرف تھا۔ یہ وہی گورداسپور شہر تھا جو تقسیم کے وقت پاکستان کا حصہ مانا گیا تھا لیکن 14 اگست 1947ء کو جسے انتہائی مکاری، بے ایمانی اور دھاندلی کے ساتھ انگریزوں اور ہندوؤں نے ایک سازش کے ذریعے بھارت کا حصہ بنا دیا تھا۔ آج اسی شہر پر پاکستان ایئر فورس کے یہ شاہباز اپنا لوہا منوانے کے لیے پرواز کر رہے تھے۔

پاکستان انٹیلی جنس کے بہادر جاسوسوں نے اطلاع بھیجی تھی کہ ایک اسلحے اور گولہ بارود سے لدی ہوئی ٹرین یہاں سے پٹھانکوٹ کے لیے روانہ ہونے والی ہے جس میں بڑا خطرناک اور جدید ترین اسلحہ وہاں موجود بھارتی فوجیوں کے لیے لے جایا جا رہا ہے۔ اس اطلاع کے ملنے کی دیر تھی کہ پاکستان ایئر فورس حرکت میں آ گئی اور چار شاہبازوں کا ایک گروپ جس کے فارمیشن لیڈر سکواڈرن لیڈر علاؤالدین بچ تھے اس عزم کے ساتھ روانہ ہو گیا کہ وہ اس اسلحے اور گولہ بارود کو بھارتی فوجیوں کے ہاتھ لگنے سے پہلے تباہ کر دیں گے۔

علاؤالدین بچ ایک دردِدل رکھنے والے بہادر انسان تھے ان کی حتی الوسع یہی کوشش رہتی تھی کہ ان کے کسی حملے سے بھارتی شہریوں اور شہری املاک کو نقصان نہ پہنچے وہ جب بھی کسی جگہ حملہ کرنے جاتے سب سے پہلے اپنے جہاز کو غوطہ دے کر خطرناک حد تک نیچے لے جاتے اور جب تک انہیں یقین نہ ہو جاتا کہ جس پر وہ حملہ کرنے والے ہیں اس کا تعلق بھارتی افواج ہی سے ہے وہ حملہ نہیں کرتے تھے۔

آج بھی جب وہ لوگ گورداسپور ریلوے لائن پر پہنچے اور ان کے ساتھی بھی ان کے ساتھ ہی اپنے طیاروں کو حملے کی پوزیشن میں لے آئے تو انہوں نے فوراً انہیں حکم دیا۔

"ٹھہرو! رک جاؤ اس پر حملہ نہ کرو یہ مسافر گاڑی ہے۔"

یہ ٹرین انہوں نے ریلوے لائن پر جاتے دیکھی تھی پاکستان ایئر فورس کے شاہین جن کی آنکھوں میں ٹرین کو دیکھتے ہی خون اتر آیا تھا وہ فوراً اس پر حملہ کرنے کی پوزیشن میں آ گئے تھے۔

جب ان کے لیڈر نے انہیں بتایا کہ یہ ٹرین نہیں جس کی انہیں تلاش ہے تو وہ لوگ دوبارہ اونچے اٹھ گئے۔

☆☆☆

اس وقت دن کے قریباً گیارہ بج رہے تھے۔ یہ علاؤالدین کی آج دوسری مہم تھی اس سے پہلے وہ ایک کارنامہ انجام دے چکے تھے۔ انہیں امید تھی کہ ان کی آمد کی خبر پا کر بھارتی فضائیہ کے طیارے ان کا مقابلہ کرنے کے لیے آئیں گے لیکن دشمن تو خوفزدہ ہو کر نہ جانے کہاں چھپ کر بیٹھ رہا تھا۔

انہوں نے گورداسپور کا سارا آسمان کھنگال لیا لیکن بھارتی فضائیہ کا کہیں نام ونشان بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب وہ لوگ گورداسپور کے ریلوے اسٹیشن کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ جب انہیں ریلوے مارشلنگ یارڈ کے نزدیک ایک مشتبہ ٹرین نظر آئی۔ سکواڈرن لیڈر

علاؤالدین بچ نے سوچا "ہو سکتا ہے یہ وہی ٹرین ہو جسے ہم نے پہلے دیکھا تھا۔"

لیکن فوراً ہی بچ کے دل میں خیال آیا کہ انہیں بطور احتیاط دیکھ لینا چاہیے۔ ممکن ہے یہ کوئی دوسری ٹرین ہو اور شاید وہ ٹرین جس کی اطلاع انہیں پاکستان انٹیلی جنس نے دی تھی یہ نہ ہو۔ یہ خیال آتے ہی انہوں نے فوراً اپنے طیارے کو قلابازی لگائی اور اپنا رخ اس طرف موڑ دیا۔

اب ان کا طیارہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ریلوے سٹیشن کی طرف نیچے ہی نیچے جھکا چلا جا رہا تھا۔

انہوں نے ٹرین پر نگاہ ڈالتے ہوئے ریڈیو پر اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"ارے یہ تو مال گاڑی ہے ہو سکتا ہے کہ اس میں فوجی ضرورت کا فولادی سامان ہو۔ میں اس پر حملہ کروں گا۔"

یہ خیال کرتے ہی وہ جھپٹے اور جوں جوں ان کا طیارہ نیچے آتا گیا ٹرین کے ویگن انہیں اچھی طرح نظر آنے لگے۔ ویگنوں کو گنوں کی زد میں لانے کے بعد انہوں نے فائرنگ شروع کر دی اور ان کی گن سے نکلی ہوئی اسلحہ کو توڑنے اور آگ لگانے والی گولیاں ٹھیک نشانہ پر جا لگیں۔

اس کے فوراً ہی بعد ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور دھوئیں کے سیاہ بادل آسمان پر چھا گئے۔ انہوں نے فوراً اپنے طیارے کو اوپر اٹھا لیا۔

☆☆☆

"یہ اسلحہ سے لدی ہوئی ٹرین ہے۔ ہمیں اسے ختم کر دینا چاہیے۔" وہ ریڈیو پر چلائے۔

یہ کہتے ہوئے بچ نے دوسری مرتبہ غوطہ لگایا۔ ان کے پھینکے ہوئے راکٹ اور چلائی ہوئی اے پی آئی گولیاں دوسرے ویگنوں پر لگیں جن میں سے دھواں اٹھنے لگا اور آسمان پر ہر طرف دھوئیں کے سیاہ بادل چھا گئے جس کی وجہ سے کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔

فولادی سامان کے بڑے بڑے ٹکڑے اور دہکتے ہوئے لوہے کے ٹکڑے ہر سمت فضا میں اڑ رہے تھے۔ جونہی بچ نے اپنا طیارہ اوپر اٹھایا فولادی سامان کے بڑے بڑے ٹکڑے ان کے طیارے سے ٹکرا گئے۔ جس کی وجہ سے ان کا سیبر جھوک کھا گیا، مگر وہ بال بال بچ گئے۔

اس جھٹکے سے سنبھلتے ہی انہوں نے اپنے طیارے کا جائزہ لیا۔ اپنے سازو سامان کو جانچا ہر چیز انہیں درست معلوم ہوئی اور وہ اگلے حملے کے لیے پر تولنے لگے۔ اب انہوں نے اوپر چکر لگانے شروع کر دیئے اور وہیں سے اپنی لگائی ہوئی آگ کی تباہ کاریوں کا منظر دیکھا مارشیلنگ یارڈ کے قریب جو عمارتیں تھیں ان میں سے بھی چند میں آگ لگ گئی تھی۔

"دھوئیں کی وجہ سے مجھے نیچے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ہوسکتا ہے چند ویگن اور باقی رہ گئے ہوں۔" فارمیشن لیڈر نے ریڈیو پر یہ کہتے ہوئے دھوئیں کے سیاہ بادلوں میں غوطہ لگا دیا اور وہ چاروں طرف سے دھوئیں کے تاریک بادلوں میں گھر گئے۔ انہوں نے اپنی پوری قوت بینائی سے کام لیتے ہوئے یہ دیکھنے کی کوشش کی آیا ٹرین کا کوئی حصہ ایسا تو نہیں جو ان کی فائرنگ کی زد میں نہ آیا ہو مگر وہ دھوئیں کی وجہ سے کچھ نہ دیکھ سکے۔

انہوں نے خیال کیا کہ انہیں اور زیادہ نیچے جانا چاہیے چنانچہ انہوں نے پھر غوطہ لگایا اور جہاز کو خطرناک حد تک نیچے لے گئے۔ ان کا طیارہ جلتی ہوئی ٹرین سے صرف چند فٹ کی بلندی پر آ گیا۔

☆☆☆

دفعتاً ان کی نظر ان ویگنوں پر پڑ گئی جن کی انہیں تلاش تھی۔ ان ویگنوں کو دیکھتے ہی انہوں نے ایک حملے کے لیے اپنا طیارہ اوپر اٹھایا اور راکٹوں سے حملہ شروع کر دیا۔

ان کے راکٹوں کی باڑھ سیدھی نشانہ پر لگی گولہ بارود سے لدی ہوئی ٹرین کے ویگن ہولناک دھماکے کے ساتھ پھٹے اور بارودی لہر اتنی تیزی کے ساتھ اٹھی کہ دوسرے سیبر طیارے

بھی جو زیادہ بلندی پر تھے جنبش میں آ گئے۔

اس کے علاوہ ٹرین کا ملبہ اچھل کر سینکڑوں فٹ کی بلندی پر گیا جس سے سارا علاقہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ڈوب گیا۔

بچ نے اپنا طیارہ اوپر اٹھا لیا تھا مگر ان کا مشن مکمل ہو چکا تھا۔ ان کے سیبر کو ٹرین کے اڑتے ہوئے ملبہ سے نقصان پہنچ چکا تھا اور ان کا کاک پٹ بارود کے انتہائی تکلیف دہ دھوئیں سے بھر چکا تھا۔

انہوں نے اپنے طیارے کا رخ پاکستان کی طرف کیا جو وہاں سے بمشکل بارہ میل کے فاصلہ پر تھا اور یہ فاصلہ ڈیڑھ منٹ میں طے ہوسکتا تھا۔

☆☆☆

بچ نے اپنی فارمیشن کو بتایا۔

"میرے کاک پٹ میں دھواں بھر چکا ہے۔"

اس کے چند ہی منٹ بعد انہوں نے کہا "اب سب ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔"

یہ شہید کے آخری الفاظ تھے جو ان کے ساتھیوں نے سنے۔

اس وقت فارمیشن کے طیارے ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ جب فارمیشن کے ڈپٹی لیڈر نے بچ کو مخاطب کر کے ان کی خیریت معلوم کرنا چاہی تو کوئی جواب نہیں ملا۔

جواب نہ ملنے پر یہ خیال گزرا کہ بچ طیارے سے چھلانگ مار گئے ہوں گے انہیں تلاش کیا گیا اور ان کا پتا لگانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔

اس تلاش میں آرمی ایوی ایشن کے ایل 19 طیاروں نے بھی حصہ لیا۔

ٹرین میں لگی ہوئی آگ کے پیدا کیے ہوئے خطرات اور دشمن کے طیاروں کی مدافعت کے باوجود ہمارے جانباز ہوا بازوں نے پورا علاقہ چھان مارا مگر ان کی کوشش بار آور نہ ہوئیں۔

جنگی طیارہ کا ایک عظیم ہوا باز اور نا قابل تسخیر جرأت کا مالک سکواڈرن لیڈر علاؤالدین بچ اپنا مشن مکمل کر کے شہید ہو چکا تھا۔

سکواڈرن لیڈر علاؤالدین 1935ء میں ڈھاکہ میں پیدا ہوئے اور وہ مشرقی پاکستان کے مشہور میڈیکل سپیشلسٹ ڈاکٹر ٹی احمد کے فرزند تھے۔

وہ بہت ہی زندہ دل انسان تھے اور اپنی خوش مزاجی کی وجہ سے بہت ہی ہر دل عزیز تھے۔شاندار اخلاق و عادات کے مالک تھے۔اگرچہ ان کا برتاؤ سب کے ساتھ مساویانہ تھا مگر اس کے باوجود وہ سختی اور ڈسپلن کے پابند تھے اور احترام کو ہر وقت ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔

سکواڈرن لیڈر کے ہوا باز بھی بچ سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کے مداح تھے۔

ان کے سکواڈرن میں جو نیا پائلٹ آتا تھا اس کے سامنے ہمیشہ ایک جرمن رنگ ساز کی کہانی بیان کرتے جسے دیوار کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر رنگ کرنے کی خدمت سپرد کی جاتی ہے اور وہ کئی مرتبہ رنگنے کے بعد بھی مختلف زاویوں سے روشنی ڈال کر دیکھتا ہے کہ آیا رنگ یکساں ہے یا نہیں۔اس طرح جائزہ لینے کے بعد وہ چلا جاتا ہے اور دو گھنٹے کے بعد دوبارہ واپس آ کر رنگ کا جائزہ لیتا ہے۔

اس کہانی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو کام کیا جائے اسے ہر اعتبار سے مکمل کیا جائے اور معمولی سے معمولی بات پر بھی پورا دھیان دیا جائے تاکہ کسی قسم کی غلطی کا احتمال نہ رہے۔

بچ 1951ء میں پاکستان ایئر فورس میں شامل ہوئے۔1953ء میں پی اے ایف کالج سے فارغ التحصیل ہوئے اور شمشیر اعزاز حاصل کی۔

جام شہادت نوش کرنے کے بعد انہیں جنگ میں مثالی قیادت، شجاعت اور دلیری دکھانے پر "ہلال جرأت" دیا گیا۔

☆☆☆

ان کے متعلق سرکاری کاغذات میں درج ہے۔

"سکواڈرن لیڈر علاؤالدین احمد نے پی اے ایف کے ایک لڑاکا بمبار سکواڈرن کے آفیسر کی حیثیت سے انڈین آرمی اور ایئر فورس کے خلاف بیس جنگی مہموں کی قیادت کی۔

ان مہموں کے دوران انہوں نے بڑے سکون، جرأت اور عزم کا مظاہرہ کیا۔ان کی قیادت ان کی فارمیشن کے پائلٹوں کا خون گرمائے رکھتی تھی۔جس کی وجہ سے انہوں نے بہت سے بھارتی ٹینک اور گاڑیاں تباہ کر دیں۔

دشمن کو تباہ کر دینے کے لیے ان کا عزم مثالی حیثیت رکھتا تھا۔انہوں نے گورداسپور میں گولہ بارود سے لدی ہوئی ایک ٹرین پر حملہ کر کے اسے اڑا دیا اور اس بات کی پرواہ نہ کی کہ خود ان پر کیا گزرے گی۔یہ حملہ انہوں نے 13 ستمبر کو کیا۔اس میں ان کے جہاز کو نقصان پہنچا اور خبر ملی کہ سکواڈرن لیڈر احمد لاپتہ ہیں، بعد میں اس امر کی تصدیق ہوگئی کہ وہ اسی معرکہ میں شہادت پا گئے تھے۔

☆☆☆

توپیں جام ہو گئیں

یکم ستمبر 1965ء کی ایک شام کا ذکر ہے۔

چھمب جوڑیاں سیکٹر میں جہاں بھارت نے بڑا بزدلانہ حملہ کیا تھا اور اس وہم میں مبتلا تھا کہ وہ اپنی زیادہ تعداد اور اسلحہ کے بل بوتے پر پاکستان کو سبق سکھا دے گا پاکستان کی بری فوج سے زبردست مار کھائی جب ان افسران نے دیکھا کہ ان کی تمام تدبیروں کا اور بزدلانہ حملوں کا پاکستانی فوج نے ایسا منہ توڑ جواب دیا ہے کہ اب سوائے دم دبا کے بھاگنے کے اور کچھ نہیں کر سکتے تو انہوں نے اپنی ایئر فورس سے مدد مانگی کہ وہ ان کو کسی طرح پاکستان کی بری فوج کے حملے سے بچائے۔

ان کی اپیل پر بھارتی فضائیہ حرکت میں آ گئی اور بھارتی ایئر فورس کے چار ویمپائر طیارے ان کی مدد کو آ گئے۔

ان طیاروں کی بدقسمتی تھی کہ وہاں پاکستان ایئر فورس کے ایک جیالے جانباز سکواڈرن لیڈر سرفراز رفیقی شہید معمول کی پرواز پر تھے۔ یہ پروازیں اسی لئے کی جاتی ہیں تا کہ دشمن کو اپنے علاقے میں گھسنے کی جرأت نہ ہو۔

ان کو اپنے طیارے کے ریڈیو پر پیغام ملا کہ چھمب کے علاقے میں بھارتی ایئر فورس کے جہاز گھس آئے ہیں ان کو فوراً سبق سکھایا جائے۔

پیغام ملتے ہی انہوں نے بجلی کی سی تیزی سے اپنے طیارے کا رخ اس سمت کو موڑا۔ جس سمت دشمن کی موجودگی کی نشاندہی کی گئی تھی۔ جلد ہی انہیں بھارتی فضائیہ کے چار ویمپائر طیارے فضا میں پرواز کرتے نظر آ گئے۔

ایک اور چار کا مقابلہ کوئی مقابلہ نہیں ہوتا۔ لیکن اس شاہین صفت پائلٹ نے گھبرانا سیکھا ہی نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے ہیڈ کوارٹر سے مدد مانگنے کی درخواست بھی نہ کی اور ان کے

مقابلے پر ڈٹ گئے۔

بھارتی اور پاکستانی بری افواج کے افسران آنکھوں سے دوربین لگائے دنیا بھر کی فضائی تاریخ کی اس حیرت ناک لڑائی کو دیکھ رہے تھے۔ ان سب کو یہی توقع تھی کہ کم از کم سکواڈرن لیڈر رفیقی اپنے لئے مدد تو منگوائیں گے لیکن ان کی توقعات کے بالکل برعکس وہ اکیلے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

اس وقت بھارتی افسران کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ایک ایک کر کے چاروں ویمپائر طیاروں کو رفیقی شہید نے فضا ہی میں تباہ کر ڈالا ہے۔ انہوں نے چاروں طیاروں کو آگ کے جلتے الاؤ میں تبدیل کرنے کے بعد ایک فاتحانہ قلابازی لگائی تو جہاں پاکستانی فوج کے جوانوں نے پرجوش نعرے لگا کر انہیں مبارکباد دی وہاں دوسری طرف دشمن کی فوج بھی انہیں خراج تحسین پیش کئے بغیر نہ رہ سکی۔

یہ 1965ء کی جنگ کا پہلا باقاعدہ فضائی معرکہ تھا۔ اس پہلی فتح کا سہرا سکواڈرن لیڈر سرفراز رفیقی کے سر رہے گا۔

☆☆☆

6 ستمبر 1965ء کی سہ پہر کا ذکر ہے۔

سکواڈرن لیڈر سرفراز رفیقی شہید کو حکم ملا کہ وہ بھارت کے مشہور فضائی اڈے ہلواڑہ پر جو مشرقی پنجاب کے شہر جالندھر سے 40 میل جنوب کی طرف واقع ہے حملہ کرے۔ وہ 3 سیبر بمبار طیاروں کے ساتھ اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔

اس فارمیشن کی کمانڈ وہ خود کر رہے اور ان کے سیکنڈ ان کمانڈ فلائٹ لیفٹیننٹ سیسل چودھری تھے۔ جبکہ ان کے بعد فلائٹ لیفٹیننٹ یونس تھے۔

جب وہ لوگ اپنے ہوائی اڈے سے اڑے تو موسم اچانک طیاروں کی پرواز کے لیے ناسازگار ہو گیا لیکن بہادر شاہین نے قطعاً پروانہ کی۔ وہ اپنے دونوں ساتھیوں کا حوصلہ

بڑھاتے ہوئے انہیں ٹارگٹ یعنی ہدف تک لے آئے۔

ان کے سیکنڈ فلائٹ لیفٹیننٹ چودھری بتاتے ہیں کہ منزل مقصود پر پہنچتے ہی ہمارے عظیم فارمیشن لیڈر کی آواز سنائی دی۔

"لڑکو! ٹھیک ہو نا؟ اپنے اپنے اسلحے کا جائزہ لے لو دشمن پر بڑی کاری ضرب لگنی چاہیے۔"

دونوں بہادروں نے چند سیکنڈ کے بعد ہی اپنے لیڈر کو سب کچھ او کے (OK) ہونے کا اشارہ دے دیا ابھی وہ ہلواڑہ کی طرف گھومے ہی تھے کہ دوبارہ ان کے نمبر دو کو اپنے فارمیشن لیڈر کی آواز سنائی دی۔

"سیسل! دو ہنٹر طیارے سامنے سے آرہے ہیں۔ ان پر نظر رکھو۔"

فلائٹ لیفٹیننٹ سیسل چودھری نے اس اثناء میں دونوں بھارتی طیاروں کو دیکھ لیا تھا۔ جو ان کے بائیں جانب مڑ رہے تھے۔ انہوں نے پاکستانی طیاروں کو دیکھ لیا تھا اور اب ان پر حملہ کرنے آرہے تھے۔

جنگی جہازوں کے پروں کے نیچے پٹرول کی فالتو ٹینکیاں لگائی جاتی ہیں اور جیسے ہی وہ حملے کی پوزیشن میں جائیں یا لڑائی یعنی ڈاگ فائٹ (فضا میں طیارے کی طیارے سے جنگ) کے حالات پیدا ہوں۔ یہ ٹینکیاں گرا کر پائلٹ اپنے طیارے کو ہلکا کر لیتے ہیں۔ یوں بھی خطرہ ہوتا ہے کہ ان پر دشمن کی چلائی ہوئی گولی لگنے سے طیارے کو نقصان نہ پہنچے۔

سیسل چودھری بتاتے ہیں کہ اپنے لیڈر کا حکم ملتے ہی میں نے فالتو ٹینکیاں گرادیں۔ میرے پیچھے یونس نے بھی یہی عمل دہرایا۔ اس دوران ہم دشمن کے حملوں سے بھی بچتے رہے۔

ہلکا ہوتے ہی فلائٹ لیفٹیننٹ سیسل چودھری کا طیارہ منہ زور گھوڑے کی طرح فضا میں اچھلا لیکن انہوں نے اپنی پیشہ ورانہ مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً اس پر قابو پا لیا۔

اس دوران دشمن کا ہنٹر نمبر دو اپنے ساتھی سے الگ ہوگیا۔ وہ ایک تنگ موڑ گھوم کر

ان پر حملہ کرنے والا تھا لیکن فارمیشن کے نمبر تین فلائٹ لیفٹیننٹ یونس نے اس کی اس حرکت کو نوٹ کر لیا اور بڑی پھرتی سے اپنے طیارے کو جھٹکا دے کر فضا میں گھومے اور اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔

اس طرح سکواڈرن لیڈر رفیقی شہید کا تیسرا ساتھی دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے ان سے علیحدہ ہو چکا تھا اب سیسل چودھری اپنے لیڈر کے بالکل پیچھے آ گئے تاکہ ان کا عقب دشمن کے حملے سے محفوظ رہے اور اس طرف سے دشمن کوئی کارروائی نہ کرنے پائے۔

فلائٹ لیفٹیننٹ یونس جس ہنٹر کے تعاقب میں عقاب کی طرح جھپٹے تھے انہوں نے جلد ہی اسے جا لیا اور اپنی توپوں کے منہ اس پر کھول کر اسے جہنم کا ایندھن بنا ڈالا اس کے ساتھ ہی وہ واپس اپنے ساتھیوں کی مدد کو پہنچے۔

دوسری طرف سیسل چودھری نے دیکھا کہ ایک ہنٹر طیارہ اچانک سکواڈرن لیڈر سرفراز رفیقی کے سامنے سے حملہ آور ہوا۔ انہوں نے اپنے طیارے کو ترچھا کیا اور اس کے حملے سے محفوظ رہتے ہوئے اپنی گنوں کے فائرنگ پش بٹن دبا دیئے۔ دشمن طیارے کا پائلٹ بوکھلاہٹ میں ان کی زد میں آ چکا تھا اس کے انجن میں گولیاں لگیں اور اس کا طیارہ ایک زور دار دھماکے کی آواز کے ساتھ پھٹ گیا۔

عین انہی لمحات میں دشمن کے دو اور ہنٹر طیارے دائیں طرف سے ان پر حملہ آور ہوئے۔ ان طیاروں کو دیکھتے ہی فارمیشن لیڈر نے اپنے ساتھیوں کو رابطہ کرنے کا حکم دیا۔ اس دوران فلائٹ لیفٹیننٹ یونس اپنا مشن پورا کر کے واپس لوٹ آئے تھے۔

ان کے لیڈر نے اس دوران اپنی حاضر دماغی اور اعلیٰ ترین قائدانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو اس مہارت سے پوزیشن دلوائی کہ وہ لوگ دشمن کے عقب میں پہنچ گئے۔

فضائی جنگ میں جب (ڈاگ فائٹ) ہو رہی ہو تو پائلٹ کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ

دشمن کے عقب میں پہنچ جائے۔اس طرح وہ دشمن کے حملے سے بالکل محفوظ رہتا ہے۔اور اس کی نظروں سے اوجھل بھی ہو جاتا ہے۔اس طرح دشمن پائلٹ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس کے طیارے کو نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔آدھی لڑائی تو پائلٹ دشمن کے عقب میں پہنچ جانے ہی سے جیت جاتا ہے۔

ابھی وہ لوگ قدرے محفوظ ہی ہوئے تھے کہ انہوں نے دشمن کے درجنوں ہنٹر طیارے اپنے دائیں بائیں سے اپنی طرف جھپٹتے دیکھے۔دونوں نے اپنے فارمیشن لیڈر کو اطلاع دی تو اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے اپنے بہادر ساتھیوں سے کہا۔

”تم لوگ میرے عقب کی حفاظت کرو۔ان بھیڑوں سے میں خود نمٹ لوں گا۔“

دونوں پائلٹ تنگ موڑ کاٹ کر اپنے لیڈر کے پیچھے آ گئے تا کہ اس کا عقب محفوظ رہے۔سکواڈرن لیڈر سرفراز رفیقی شہید نے جیسے ہی دیکھا کہ ایک ہنٹر ان کی زد میں آ رہا ہے انہوں نے فوراً فائرنگ پش بٹن دبا دیا۔

لیکن یہ کیا؟ گن خاموش رہی۔

انہوں نے دوبارہ بٹن دبایا۔دوبارہ کوئی ردعمل نہ ہوا۔اب انہیں سمجھ آ گئی کہ ان کے طیارے کی توپیں کسی تکنیکی خرابی کا شکار ہو کر جام ہو گئی ہیں۔اب وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

دشمن کے علاقے میں ڈاگ فائٹ کے دوران اس طرح محروم ہو جانا انتہائی خطرناک تھا۔ان کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ فوراً اپنے ملک کی طرف بھاگ جائیں تا کہ ان کی جان بچ جائے۔اس طرح کم از کم ان کی جان تو بچ سکتی تھی۔

لیکن انہوں نے بجائے فرار ہو کر جان بچانے کے ایک انتہائی خطرناک فیصلہ کیا۔

وہ فیصلہ جو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔انہوں نے پاکستان ایئر فورس کی اعلیٰ روایات کے مطابق اپنی برتری برقرار رکھی۔

سکواڈرن لیڈر سرفراز رفیقی شہید نے اپنے نمبر دو فلائٹ لیفٹیننٹ سیسل چودھری

سے ریڈیو ٹیلی فون پر کہا”سیسل! میری توپیں جام ہو گئی ہیں تم قیادت سنبھال لو میں تمہیں آڑ دوں گا۔“

یہ کہہ کر وہ برق رفتاری سے گھومے اور سیسل کو آگے بڑھنے کا راستہ دے کر اپنے دونوں ساتھیوں کے عقب میں آ گئے۔فلائٹ لیفٹیننٹ سیسل چودھری اعلیٰ پائے کے ہواباز تھے وہ دلیری سے آگے نکلے اور کمان سنبھالتے ہی دشمن کے ایک طیارے کے عقب میں پہنچ گئے۔وہ چاروں طرف سے بری طرح دشمن کے گھیرے میں آ چکے تھے لیکن ان کے فارمیشن لیڈر کے شیر دلانہ فیصلے نے ان کے حوصلے بڑھا دیئے تھے وہ بہادروں کی طرح مقابلے پر ڈٹ گئے اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر انہوں نے دشمن کے اس ہنٹر طیارے کے پرخچے اڑا دیئے۔

وہ لوگ تعداد میں کم ضرور تھے لیکن جس ملک کی فضائیہ میں رفیقی شہید جیسے دلیر اور جانباز شاہین صفت پائلٹ موجود ہوں وہ دشمن کی تعداد کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے۔اس دوران انہوں نے ایک اور جان توڑ حملہ کیا اور دشمن کے ایک اور طیارے کو ڈھیر کر دیا۔

☆☆☆

فلائٹ لیفٹیننٹ یونس بھی سیسل چودھری کی طرح دشمن کے گھیرے میں آ چکے تھے لیکن وہ کمال مہارت سے دشمن پر جھپٹے اور اس کے ایک ہنٹر کو اپنی مشین گنوں کا نشانہ بنا لیا۔

اس دوران ان دونوں کے عقب کی حفاظت ان کا جیالا فارمیشن لیڈر کرتا رہا۔دشمن کوئی بیوقوف نہیں تھا اس نے اندازہ لگا لیا کہ سرفراز رفیقی شہید کے طیارے میں ضرور کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔

اب پاکستانی بہادروں کا ایندھن ختم ہونے کو آ رہا تھا۔انہوں نے اپنے مقصد میں عظیم کامیابی حاصل کی تھی۔وہ پاکستان کی طرف واپس پلٹ گئے واپس لوٹتے ہوئے دشمن نے رفیقی شہید پر حملہ کیا اور بروقت پانچ چھ طیارے ان پر جھپٹے ان کی گنیں تو جام ہو چکی تھیں

ان کا طیارہ دشمن کی زد میں آ گیا۔

اس دوران رفیق شہید نے یہ اندازہ لگا لیا کہ اب وہ اپنے طیارے سمیت پاکستان نہیں پہنچ پائیں گے ان کے لیے بہترین راستہ یہ تھا کہ وہ طیارے سے نیچے کود جائیں اس طرح وہ گرفتار ہو جاتے اور بچ نکلتے لیکن ان کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔ انہوں نے دوسرا اہم ترین اور دلیرانہ فیصلہ کیا کہ وہ ہلواڑہ کے نزدیک انٹی ایئر کرافٹ توپوں پر جو طیاروں کو تباہ کرنے کے لیے نصب کی جاتی ہیں اپنا جہاز گرا دیا۔

وہ خود شہید ہو گئے لیکن اپنے ساتھ دشمن کا بیڑہ بھی غرق کر گئے۔ انہوں نے اپنی جان پیارے ملک کے لیے قربان کر کے دنیا بھر کو پاکستان ایئر فورس کی عظمت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ پاکستان کی تینوں مسلح افواج کے وہ واحد بہادر ہیں جنہیں بیک وہ دو اعزاز دیئے گئے۔ انہیں ہلال جرأت اور ستارہ جرأت کے اعزاز سے نوازا گیا۔ ان کی شہادت کی کہانی ایئر فورس کی کتابوں میں ایک روایت بن کر زندہ رہے گی۔ اس میں لکھا ہے:

رفیق کا اپنا انجام کیا ہو گا اس بارے میں کسی کو کوئی شک نہ تھا مگر وہ خود اپنے انجام سے بالکل ہی بے پروا تھے۔ جرأت و شجاعت کے اس مظاہرے میں ان کا جہاز دشمن کی گولی کا نشانہ بنا اور رفیق خود شہید ہو گئے مگر ان کی جانبازی کی بدولت ان کے فارمیشن نے تین اور ہنٹر طیارے مار گرائے اس طرح سکواڈرن لیڈر رفیق نے جنگ میں مثالی قیادت کا مظاہرہ کیا سخت مزاحمت کے باوجود نمایاں دلیری دکھائی ان کی پر جوش قیادت اور بے غرضی نے بعد میں فضائی جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور پی اے ایف نے دشمن کی کثرت اسلحہ کی برتری کے باوجود اس کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ سکواڈرن لیڈر رفیق نے جو کچھ کیا فرض سے کہیں زیادہ تھا اور انہوں نے سخت کٹھن حالات میں قیادت اور شجاعت کی عمدہ روایات قائم رکھیں۔"

پاکستان ایئر فورس کا یہ جیالا پائلٹ 20 مئی 1935ء کو پیدا ہوا۔ انہوں نے

ابتدائی تعلیم لاہور میں حاصل کی 1935ء میں انہوں نے پاکستان ایئر فورس میں کمیشن حاصل کیا۔

رفیق شہید کے بڑے بھائی بھی پاکستان ایئر فورس کے ایک جوشیلے ہواباز تھے اور وہ 1949ء میں ایک ہوائی حادثے کا شکار ہو گئے تھے۔ رفیق کا نشانہ بہت ہی عمدہ تھا اور جنگی طیارے کے بہت اچھے ہواباز تھے۔ وہ خوبرو، نفاست پسند، دبلے پتلے، خوش مزاج انسان تھے۔ پرواز کے دوران وہ حد درجہ بہادری سے کام لیتے اور اپنے فرائض پرسکون طریقہ سے نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ ان کے سکواڈرن کے ہواباز ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ وہ اگرچہ کسی قدر صاف گو تھے لیکن اس کے ساتھ وہ بے حد ملنسار اور ہمدرد انسان تھے وہ روایت بن کر ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

............☆☆☆............

میں تھکا نہیں کرتا

بمبئی کے قریب واقع جام نگر کا ہوائی اڈہ بھارت کے دفاعی نظام میں ہمیشہ ایک اہم مقام کا حامل رہا ہے۔ سندھ کے مختلف سرحدی اضلاع پر بمباری کیلئے اس سے زیادہ موزوں ہوائی اڈہ اور کوئی نہیں ہے۔ ہمارے ساحلی دفاع کو بھی اس سے شدید خطرہ لاحق تھا۔ جام نگر کا حصار دوار کا تھا۔

یہاں بھارت نے طاقتور ترین HF/DE سسٹم پر مبنی ریڈار سٹیشن قائم کر رکھا تھا۔ پاک فضائیہ کے شاہین جونہی فضا میں بلند ہوتے، یہ ریڈار سٹیشن انہیں اپنی مضبوط زد میں لے آتا اور جام نگر کو ہر حملے کی بروقت اطلاع مل جاتی تھی۔ ان حفاظتی انتظامات کی وجہ سے جام نگر پر حملہ مخدوش اور پرخطر تھا۔ اس بات کا ہر وقت امکان رہتا تھا کہ جونہی ہمارے شہباز جام نگر پہنچیں گے، وہاں کا مضبوط اور مربوط حفاظتی نظام ان کے استقبال کے لئے تیار ہوگا۔

بھارت کی بیشتر اینٹی ایئر کرافٹ یونٹیں جام نگر کے اردگرد ڈیپلائے تھیں اور ہر آنے والے خطرے سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار تھیں۔ لیکن ان تمام خدشوں کے باوجود اتنی اہمیت کے حامل اڈے پر بمباری (Heavy Bombing) ازحد ضروری تھی۔

ہماری ہائی کمان نے 6 ستمبر کا تیسرا پہر حملے کے لئے منتخب کر رکھا تھا اور ونگ کمانڈر انصاری کی قیادت میں پاک فضائیہ کے چھ بی 57 اور ایف 86 بمبار اس مشن کے لئے تیار کھڑے تھے۔ اس دستے میں سکواڈرن لیڈر شبیر عالم صدیقی شہید بھی شامل تھے۔ جن پر 6 ستمبر کی صبح سے ہی ایک والہانہ کیفیت طاری تھی وہ بڑی شدت سے اس لمحے کے منتظر تھے جب انہیں دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کا موقع دیا جاتا۔

☆☆☆

تھوڑی ہی دیر بعد جیپیں شہبازوں اور نیوی گیٹروں کو ان کے طیارے کی طرف لے جا رہی تھیں اور ذرا ہی دیر بعد طیارے مہیب گھڑگھڑاہٹ کی آواز کے ساتھ سٹارٹ ہو گئے۔ سب سے آگے فارمیشن لیڈر ونگ کمانڈر سعید انصاری کا طیارہ تھا۔ طیارے ایک دوسرے کے پیچھے رن وے پر آئے۔ فارمیشن لیڈر کا طیارہ سب سے پہلے فضا کا سینہ چھلنی کرتا ہوا بڑی تیزی سے بمبئی کی سمت پرواز کر گیا۔ اس کے بعد سکواڈرن لیڈر صدیقی شہید کا بی 57 دھاڑتا اور گرجتا ہوا قہر و غضب کے بگولے کی طرح فضا میں بلند ہوا پھر ایک ایک کر کے باقی شہباز بھی فضاؤں میں کھو گئے۔

ہوائی اڈے پر موجود زمینی عملے کی خاموش دعائیں ان کے ساتھ ساتھ فضا میں بلند ہو رہی تھیں۔ ریڈار کی متوقع رینج سے بچنے کے لئے طیارے زیادہ اونچائی پر پرواز نہیں کر رہے تھے۔ ان کے سامنے وسیع و عریض سمندر پھیلا ہوا تھا۔ یہ سمندر، یہ شہر یہ دریا یہ سب کچھ ان کا تھا۔ ان کی آبرو تھا اور اپنی آبرو پر مر مٹنے والے یہ جانباز دشمن کی للکار کا منہ توڑنے کے لیے اپنے دامن میں کروڑوں انسانوں کی دعائیں سمیٹے آندھی اور طوفان کی رفتار کے ساتھ جام نگر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

جہازوں کے ریڈیو سیٹوں پر مکمل خاموشی طاری تھی تاکہ دشمن کسی طرح خبردار نہ ہو سکے۔ سورج ابھی ڈوبا نہیں تھا صدیقی شہید کے سیٹ پر نیوی گیٹر کی آواز سنائی دی۔

''ہم ٹارگٹ ایریا میں پہنچ چکے ہیں!'' تمام شہبازوں کو سامنے جام نگر کا اڈہ دکھائی دے رہا تھا۔ صدیقی خاموش نہ رہ سکا۔ اس کی آواز ابھری۔

''واہ کیا شاندار نشانہ ہے۔'' اس کے ساتھ ہی اس کا ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا۔ جس نے شاہینوں کے تنے ہوئے اعصاب کا کھچاؤ خاصا کم کر دیا تھا اب وہ نارمل موڈ میں تھے۔

ٹارگٹ کے عین اوپر جا کر فارمیشن لیڈر کا طیارہ تیر کی طرح فضا میں بلند ہوا پھر چند لمحوں کے اندر سارے شہباز اپنی الاٹ شدہ پوزیشن میں آ گئے۔

ونگ کمانڈر انصاری کی "اللہ اکبر" کی گونج ریڈیو سیٹ پر ابھری اور ان کا طیارہ بجلی کی سی تیزی سے گھوم کر حملے کی پوزیشن میں آ گیا۔ نیچے سے طیارہ شکن توپوں نے آگ اگلنی شروع کر دی تھی۔

دشمن نے فضا میں ایمونیشن کا جال تان دیا تھا لیکن فارمیشن لیڈر نے کمال اطمینان سے تمام بم نشانے پر گرا دیے۔ اس کے بعد دوسرا شاہین غوطے میں گیا۔ سکواڈرن لیڈر صدیقی شہید کا طیارہ ابھی پیچھے تھا ان کی عقابی نظروں نے دشمن کی ایک انتہائی محفوظ پوزیشن پر نصب گن کو بھی دیکھ لیا تھا لیکن ان کو پہلے اپنے نشانے پر بم گرانے بے حد ضروری تھے وہ پورے اطمینان حاضر دماغی اور سکون قلب کے ساتھ جب اپنے مخصوص نشانے پر بم گرا کر پلٹے تو ایمونیشن ختم ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد باقی شہباز بھی اپنے طیارے بموں سے خالی کر چکے تھے اب ان کے پروں کے نیچے آگ اور دھوئیں کا ایک طوفان اٹھ رہا تھا۔ جام نگر جل رہا تھا اور شہباز اپنے جلو میں سلامتی اور فتح کی ہزاروں دعائیں سمیٹ کر محفوظ و مامون واپس لوٹ آئے۔

☆☆☆

پاک فضائیہ کے اڈے پر سینکڑوں دھڑکتے دل سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ ان کے منتظر تھے۔ زمینی عملہ اپنے کان آسمان کی سمت آنے والی آوازوں پر لگائے بڑی شدت سے اپنے شہبازوں کا منتظر تھا۔ اتنے میں آسمان پر ایک گونج سنائی دی اور پھر زناٹے دار آوازیں ابھریں سٹیشن کمانڈر نے اپنی عقابی نظروں سے آنے والے شاہینوں کی گنتی کی، پورے چھ طیارے تھے۔ اس کی آنکھیں تشکر کے جذبات سے چھلک اٹھیں۔

اڈے پر ہر سمت جذبات کا ایک طوفان امڈ پڑا، سینوں میں رکے ولولے پرجوش نعروں کی آواز میں ڈھل گئے۔ فاتح شہباز ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ جام نگر کا غرور اپنے پیروں تلے روند ڈالا تھا لیکن شبیر عالم صدیقی کی ایک

خواہش ابھی باقی تھی۔ طیارے سے اترتے ہی اس نے اپنے کریٹو سے کہا۔

"میرے جہاز میں فوراً بم لگاؤ۔"!

"لیکن سر! آپ تو"......اس کی بات نامکمل ہی رہی کہ صدیقی نے پھر کہا۔

"جلدی بم لگاؤ۔ جلدی۔"!!

اور اس کا طیارہ ایک مرتبہ پھر فضا کی وسعتوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا، لیکن اب رات کا وقت تھا دشمن ہوشیار بھی ہو چکا تھا ان تمام خطرات کے باوجود وہ کامیاب بمباری کر کے واپس لوٹ آیا۔

اس پر اب سنجیدگی طاری تھی نجانے وہ کس سوچ میں گم تھا جیسے ہی اس کا جہاز لینڈ کیا اس نے پھر کریٹو سے کہا۔

"میرے جہاز میں جلدی سے تیل ڈالو اور بم لگاؤ۔ مجھے جلدی واپس جانا ہے۔"!

آدھی رات کا وقت تھا شبیر عالم صدیقی شہید آپریشن روم میں اپنی رات کی کارگزاری لکھ رہا تھا شہید نے ابھی تک فلائنگ سوٹ پہن رکھا تھا۔

وہ شب بیداری اور تھکن کے اثرات کو چھپائے ہوئے تھا۔

"تم شاید پھر کہیں جا رہے ہو۔"!! ونگ کمانڈر انصاری نے اسے فلائنگ سوٹ میں دیکھ کر کہا تھا۔

"یس سر۔"!

"لیکن تم تھک چکے ہو۔"!!

"نہیں سر میں کبھی نہیں تھکتا!" اس کی آواز بڑی اجنبی سی لگ رہی تھی۔

وہ پھر چلا گیا۔ جب شہید ٹارگٹ پر پہنچا تو وہاں بادل چھا رہے تھے۔ نیچے اور گہرے بادل جنہوں نے سارے اڈے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ یہ بادل بمباری کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے لیکن شبیر عالم شہید نے کسی رکاوٹ سے منہ موڑنا نہیں سیکھا تھا وہ

بادلوں کے پیچھے چلا گیا اور اتنا نیچے جا کر بمباری کرنے سے اس کا طیارہ اپنے ہی پھینکے ہوئے بموں کی زد میں آ گیا۔ وہ شہید ہو گیا لیکن پاکستان ایئر فورس کی اس روایت کو زندہ کر گیا۔

صحرا است کہ دریا است تہ بال و پر است

............☆☆☆............

تیسرا ہوا باز

12 ستمبر 1965ء کا ذکر ہے۔

پاکستان ایئر فورس کے ایک اڈے کے آپریشن روم میں ونگ کمانڈر محمد انور شمیم ایک بڑے نقشے کے سامنے اس پر نظریں جمائے کھڑے تھے۔ انہوں نے اپنے بمبار طیاروں کے ہوا بازوں کو ضروری ہدایات دینی تھیں۔ جس کے بعد انہوں نے ایک نہایت اہم مشن پر بھارت کے مشرقی پنجاب کے شہر امرتسر کی طرف روانہ ہونا تھا۔

پاکستان ایئر فورس کے جیالے شاہینوں نے اس ریڈار سٹیشن پر حملہ کرنا تھا جو بھارت سرکار نے پاکستانی فضائیہ کے دلیرانہ حملوں سے بروقت آگاہ ہونے کے لیے شہر کے عین درمیان لیکن بڑے خفیہ طریقے سے تعمیر کر رکھا تھا۔

اس ریڈار پر حملہ کرنے کے لیے آنے والے جہاز بھارت کی سرحد میں داخل ہوتے ہی نظر آ جایا کرتے تھے۔ جس کے ساتھ ہی بھارتی فوج کی اینٹی ایئر کرافٹ توپوں کا عملہ خبردار ہو جاتا اور سینکڑوں توپوں کی مدد سے وہ لوگ فضا میں گولوں کا ایک جالا سا تان دیتے تھے جس کے درمیان سے گزر کر حملہ کرنا پاکستانی طیاروں کے لیے ناممکن ہو جاتا تھا۔

امرتسر کے ہوائی اڈے اور دیگر فوجی تنصیبات کو تباہ کرنے کے لیے ضروری تھا کہ پہلے اس ریڈار کو تباہ کیا جائے جو حملہ آور طیاروں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنا ہوا تھا۔

ونگ کمانڈر محمد انور شمیم نے (جو اب پاکستان فضائیہ کے کمانڈر انچیف ہیں) اپنے ہوا بازوں کو ہدایات دینے کے لیے طلب کیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہاں ہوا باز موجود تھے۔ انہوں نے اپنے آپریشن آفیسر سکواڈرن لیڈر منیر احمد سے دریافت کیا کہ تیسرا ہوا باز کہاں ہے؟

"سر! مجھے ہی تیسرا ہوا باز سمجھیں۔" انہوں نے حسب عادت ہنستے ہوئے کہا۔

"لیکن اس مہم کے لیے میں نے فلائنگ آفیسر مسعود کو چنا تھا۔" شمیم بولے۔

"سر! وہ تو کسی مہم پر گئے ہوئے ہیں" سکواڈرن لیڈر منیر نے مسکرا کر کہا۔

ونگ کمانڈر مسکرانے لگے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ منیر شہید کی چال ہے۔ وہ خود اس مہم پر جانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی اس ریڈار سٹیشن پر جتنی مہمیں روانہ کی گئی تھیں۔ انہوں نے ان سب میں حصہ لیا تھا۔ منیر شہید کو پرواز سے عشق تھا۔ جنگ کے آغاز کے بعد سے اس وقت تک وہ آٹھ مرتبہ اپنے ساتھیوں کو ونگ آپریشنز آفیسر کی حیثیت سے اپنی گراؤنڈ ڈیوٹیاں سنبھالنے پر آمادہ کر کے خود لڑاکا مہموں میں جا چکے تھے۔ اس مرتبہ پھر انہوں نے اپنے واسطے راستہ نکال لیا۔ مسعود کے متعلق ان کا جواب سن کر شمیم نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں تمہیں مہم میں شامل کرتا ہوں۔" اس کے بعد شمیم نے ضروری ہدایات دیں۔ اس کے تقریباً آدھ گھنٹے بعد پی اے ایف کے چار سیبر طیارے جو مہلک قسم کے ساز و سامان سے لدے ہوئے تھے نہایت ہی پروقار طریقہ سے اپنے اڈے سے اڑے اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس کے صرف دس منٹ بعد وہ دشمن کے علاقہ میں داخل ہو گئے۔

ہمارے سیبر بہت ہی کم بلندی پر پرواز کرتے ہوئے امرتسر شہر کے قریب پہنچے ہی تھے کہ دشمن کی توپوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ ابتدا میں اکا دکا گولے آ رہے تھے۔ پھر فائرنگ تیز ہونے لگی اور ہر قسم کی چھوٹی اور بھاری توپوں نے آگ اگلنا شروع کر دی۔

فضا میں ہر طرف آگ پھیل گئی اور گولے پھٹنے لگے۔ لیکن دشمن کی گولہ باری کی پروا کیے بغیر ہمارے چاروں جنگی طیارے اپنی منزل کی طرف برابر بڑھتے رہے۔ منیر ڈپٹی لیڈر کی حیثیت سے پرواز کر رہے تھے۔ عین وقت پر موقع نکال کر وہ نشانے پر جھپٹ پڑے دوسرے طیارے اوپر ہو گئے اور حملہ کرنے کے لیے اپنی باری کا انتظار کرنے لگے۔ دشمن کے تمام توپچیوں نے اپنی توپوں کا رخ منیر شہید کے طیارے کی طرف کر کے آگ برسانی شروع کر دیا اور ان کے پھینکے ہوئے گولے منیر کے طیارے کے بالکل نزدیک پھٹنے لگے۔

مگر وہ آگ کے جال کو چیرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور اپنی منزل کے بالکل ہی قریب تھے کہ ایک گولہ ان کے سیبر میں لگا۔ انہوں نے فوراً ونگ کمانڈر شمیم کو اطلاع دی۔

"میرے طیارے کو گولہ لگا ہے۔"

اس کے بعد آر ٹی خاموش ہو گیا۔ شمیم نے منیر سے دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ انہوں نے منیر کو ادھر ادھر ڈھونڈا لیکن ان کا کہیں پتہ نہ تھا اور اس طرح ایک عظیم ہواباز جس پر پاکستان ایئر فورس کو بے حد ناز تھا شہادت پا گیا۔ چھتیس سالہ منیر ایک ذہین اور پرجوش ہواباز تھے وہ گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ ایئر فورس میں بہت ہی ہردلعزیز تھے۔ وہ ہنسی مذاق کے پتلے اور انتہائی خوش مزاج تھے۔ ان کا نشانہ بہت پکا اور سچا تھا۔ وہ بھاری بدن کے تھے اور قدرے تھلتھلاتے بھی تھے۔ ان کے جوہر کے لیے صحیح مقام فضا ہی تھا۔

انہیں پرواز سے تو گویا عشق تھا اور لڑاکا مہموں میں حصہ لینے کے لیے ہر وقت پر تولتے رہتے تھے۔ ان کے لیے پرواز کے بغیر زندگی کوئی زندگی نہ تھی۔ منیر آپریشنل سکواڈرن میں اپنے سکواڈرن لیڈر کے رینک سے مطمئن بھی تھے اور خوش بھی۔ وہ اسی رینک پر ساری عمر رہنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی پوری ملازمت کے دوران ترقی کے امتحان میں کبھی شرکت نہیں کی۔ کیونکہ اس سے اونچا رینک انہیں فلائنگ ڈیوٹیز سے مستثنیٰ کر دیتا جو وہ گوارا نہ کرتے تھے۔ اگر کبھی ان کے دوست انہیں ستانے اور پریشان کرنے کے لیے یہ کہہ دیتے کہ انہیں ایئر ہیڈ کوارٹرز میں سٹاف ڈیوٹی پر متعین کیا جا رہا ہے تو وہ پریشان ہو جاتے اور اپنے افسران بالا سے یہ درخواست کرنے لگتے کہ انہیں پرواز کی خدمت سے ہٹایا نہ جائے۔

4 ستمبر کو انہوں نے چھمب کے علاقے میں پاکستان آرمی کو مدد پہنچانے کے لیے پہلی مرتبہ حملہ کر کے دشمن کے متعدد ٹینک اور گاڑیاں تباہ و برباد کر دیں۔ اس کے بعد انہوں نے 11 ستمبر کو اپنے یوم شہادت تک تقریباً ہر روز لڑاکا مہموں میں حصہ لیا۔ شروع کے چند دنوں میں انہیں دشمن سے فضائی لڑائیاں لڑنے کا موقع نہیں ملا جس کا انہیں سخت افسوس تھا اپنی

آخری مہم پر روانہ ہونے سے ایک دن پہلے فیروز پور سے تقریباً بیس میل جنوب مغرب میں دشمن سے ان کی مڈبھیڑ ہو گئی جس میں انہوں نے انڈین ایئر فورس کا ایک نیٹ (GNAT) طیارہ گرا کر اپنی دلی آرزو پوری کر لی۔ سکاڈرن لیڈر منیر احمد کو فرض سے کہیں زیادہ اور حد درجہ دشوار حالات میں جرأت اور آہنی عزم کا مظاہرہ کرنے پر ستارہ جرأت کا اعزاز دیا گیا۔ ان کے کارناموں کے سرکاری تذکرہ میں درج ہے۔

"جنگ کے دوران امرتسر میں ایک ریڈار سٹیشن پر پی اے ایف کے لڑاکا طیاروں نے کئی زبردست حملے کیے۔ اس سٹیشن کی حفاظت کا بہت ہی مضبوط انتظام تھا مگر اسے بالآخر ناکارہ کر دیا گیا۔ ان ساری مہموں میں سکاڈرن لیڈر منیر احمد کسی خوف کے بغیر بڑی خوشی سے اپنے آپ کو پیش کرتے تھے۔ وہ دشمن کے ٹھکانوں کا پتہ لگانے اور انہیں تباہ کرنے کی غرض سے دشمن کی توپوں کی بالکل زد میں آ جاتے تھے اور اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر اپنے فرض کی ادائیگی میں منہمک رہتے تھے۔

11 ستمبر کو انہوں نے جو آخری کامیاب حملہ کیا اس میں انہوں نے زندگی کی سب سے بڑی قربانی دی۔ دشمن کی بہت سی طیارہ شکن توپوں نے بیک وقت انہیں نشانہ بنایا۔ ان کے جہاز کو نقصان پہنچا اور وہ شہید ہو گئے۔ بمباری کی آخری مہم پر جانے سے پہلے سکاڈرن لیڈر منیر آٹھ مرتبہ حملہ کرنے لگے۔ ہر بار وہ اپنے رفقاء سے یہ کہتے تھے کہ ونگ آپریشنز آفیسر کی حیثیت سے مجھے عارضی طور پر زمینی ڈیوٹی سے فارغ رکھا جائے۔

10 ستمبر کو وہ اپنے طور پر دشمن کے لڑاکا طیاروں کا تعاقب کرتے ہوئے بھارتی علاقے کے اندر تک چلے گئے اور انڈین ایئر فورس کا ایک نیٹ طیارہ تباہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔

انہوں نے پاک فضائیہ کی عظیم روایات کو زندہ رکھا بلاشبہ وہ ایک جیالے اور عظیم سکواڈرن لیڈر تھے۔

☆☆☆

(1965ء کی سترہ روزہ جنگ کی ڈائری)

چھمب سیکٹر کی کہانی

بھارت سے دو دو ہاتھ کرنے کا سلسلہ مقبوضہ کشمیر میں صوبہ جموں کے جنوب مغربی سرے پر چھمب کے سرسبز و شاداب علاقہ میں برق رفتار چڑھائی سے شروع ہوا۔ یہ واقعہ یکم ستمبر 1965ء کا ہے اس سے چند ہفتے پیشتر بھارت کشمیر میں کئی ایک جارحانہ کارروائیاں کر چکا تھا۔

اس لڑائی کا آغاز اس نے 15 اگست کو ایک نئی حرکت سے کیا۔ بھارت نے کرگل کی خالی چوکی پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس "فتح" سے بھارتی اس قدر پھول گئے کہ انہوں نے آزاد کشمیر دارالحکومت مظفر آباد کے شمال میں ٹیٹوال سیکٹر میں اور جنوب کی طرف اوڑی پونچھ سیکٹر میں وسیع پیمانے پر جارحانہ کارروائیاں شروع کر دیں۔

ٹیٹوال سیکٹر میں انہیں کچھ کامیابی بھی ہوئی۔ بھارت نے اس علاقے میں بعض ایسے مقامات پر قبضہ کر لیا جس سے ساری نیلم وادی کے لیے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ بھارتیوں نے ایک بریگیڈ سے جس کی مدد ڈویژنل آرٹلری کر رہا تھا، فوجی لحاظ سے اہم درہ حاجی پیر پر حملہ کر دیا۔ اس درہ پر آزاد کشمیر فورسز کی مختصر سی جمعیت متعین تھی۔ فریقین میں کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ بھارت نے باآسانی یہاں بھی جارحانہ قبضہ کر لیا۔

درہ حاجی پیر پر قبضہ کرنے اور اوڑی پونچھ کے علاقہ کو زیر کرنے سے بھارتیوں کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ سارے آزاد کشمیر کو ہڑپ کر جائیں۔ بھارتی حکومت نے اپنے کمانڈر انچیف کے سپرد یہی کام کیا تھا، مگر اس مقصد میں بھارتی کمانڈر انچیف اور اس کی فوج کو ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔

پاکستان سپاہ نے چھمب میں بروقت کارروائی کر کے آزاد کشمیر میں مزید دراز دستیوں کا راستہ بند کر دیا۔ اب بھارتی فوج جارحانہ کارروائی تو کیا کرتی، اسے اپنی فکر پڑ گئی۔ اسے مجبوراً دفاعی پوزیشن اختیار کر لینی پڑی۔ بھارتی لیڈر اٹھتے بیٹھتے یہ ڈراوے دیتے رہتے تھے کہ ہم جنگ بندی لائن کو جب چاہیں گے اور جہاں چاہیں گے توڑیں گے۔ یہ سب گیدڑ بھبکیاں ہوا ہو کے رہ گئیں۔

چھمب کا معرکہ برق رفتاری اعلیٰ جنگی تدبیروں جرأت مندانہ چالوں اور سب سے بڑھ کر ہمارے جوانوں اور افسروں کے آہنی عزم کا شاندار مظاہرہ تھا۔ یہ مظاہرہ ایک ایسے دشمن کے خلاف ہوا جو اپنی مضبوط قلعہ بندیوں میں بیٹھ کر اپنے آپ کو ہر بیرونی خطرے سے محفوظ خیال کرتا تھا۔

پاکستان آرمی نے آزاد کشمیر فوج کی مدد کرتے ہوئے جنگ بندی لائن کو عبور کر کے پانچ روز کے اندر اندر متنازعہ علاقے کے قریباً تین سو چالیس مربع میل پر قبضہ کر لیا۔ اس میں چھمب، دیوا، سکرانا اور جوڑیاں شامل تھے۔

☆☆☆

ہماری افواج اکھنور کے اہم مقام سے صرف چار میل کے فاصلہ پر جا پہنچیں۔ اس کے علاوہ بہت سے بھارتی جنگی قیدی بھی پکڑے گئے جن میں سے بیشتر سکھ تھے اور بھارت کو اپنی سکھ بٹالین پر کچھ زیادہ ہی فخر تھا وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ انہیں کوئی بھی ہرا نہیں سکتا۔ بیالیس توپیں ہاتھ لگیں اور چوبیس ٹینک۔ ان میں سے اکیس ٹینک بالکل ٹھیک حالت میں تھے۔ گولہ بارود کے بے شمار ذخیرے بھی ہاتھ لگے۔

یہ کہنا غلط ہے کہ چھمب کے علاقہ میں بھارتی فوج کو بے خبری کے عالم میں جالیا گیا تھا۔ اس علاقہ میں بڑی مضبوط قلعہ بندیاں تھیں۔ دریائے توی اور اس کے پار ساری حد کے ساتھ ساتھ کنکریٹ کے پختہ بنکر بنے ہوئے تھے اور جابجا محفوظ جگہوں میں 106 ملی میٹر

کی ریکائل لیس گنیں نصب تھیں۔

بھارتیوں کی خوش قسمتی سے پاکستان افواج کے حملہ کے وقت دریائے توی میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔ دریا کے دونوں طرف کے علاقہ میں بڑی عمدہ قدرتی پناہ گاہیں تھیں مثلاً اونچی گھنی گھاس، درخت اور ٹیلے، یہ علاقہ ٹینکوں کے خلاف دفاع کرنے کے لیے بڑا ہی موزوں تھا۔ بھارتی اس علاقہ کے چپے چپے کو بخوبی جانتے تھے۔ اس لیے کہ پچھلے اٹھارہ برس سے یہ علاقہ ان کے قبضہ میں تھا۔ پاکستان فوج کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے اس سے بہتر حالات ممکن نہ تھے۔

مگر پاکستانی فوج جس تیزی سے بڑھی اس نے قلعہ بند بھارتی سورماؤں کو ایسا سراسیمہ کر دیا کہ وہ اپنے پختہ بنکروں سے یوں بھاگے جیسے ڈر کے مارے گیدڑ بھاگتے ہیں۔ آگے بڑھتی ہوئی فوج کا مقابلہ کرنے کی بجائے انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ جلدی جلدی بھاگ کر کہیں چھپ جائیں۔

چھمب کے معرکے کے دوران پاکستانی فوج نے بلند حوصلے اور اعلیٰ جنگی چالوں کا مظاہرہ کیا۔ ہماری فوجیں دشمن کے بڑی عمدگی سے چھپائے ہوئے ہتھیاروں کے پھندوں سے بچتی بچاتیں دشمن فوج کے پہلو سے گزرتی ہوئیں اس کے عقب میں جا پہنچیں۔

پاکستانی جانباز جب اچانک بھارتی فوج کے عقب میں جا نمودار ہوئے تو بھارتی فوجوں کو جان کے لالے پڑ گئے۔

☆☆☆

2 ستمبر کو پاکستانی فوج چھمب، دیوا اور سکرانا کو مکمل طور پر فتح کر چکی تھیں۔ دریائے توی پر عارضی پل بنایا گیا اور 3 ستمبر کی دوپہر تک ہماری فوج اس پل سے گزر کر پلانوالا سے ہوتی ہوئی جوڑیاں کی طرف بڑھنے لگی۔

جوڑیاں کا سب سے بڑا دفاعی مورچہ تروٹی کے مقام پر تھا۔ بھارتیوں نے اپنی بیشتر

بکتر بند قوت اور توپ خانہ اسی مقام پر جمع کر رکھا تھا۔ یہیں پر آرمرڈ کاروں اور ٹینکوں کی بڑی جنگ لڑی گئی۔ پاکستان کے ہراول ٹینک سکاڈرن نے دشمن پر سامنے سے حملہ کیا اور باقی دستوں نے پہلو سے نکل کر دشمن کے پیچھے پہنچ جانے کی کارروائی کی۔

دشمن کے لیے اب ایک ہی چارہ رہ گیا تھا کہ وہ مورچہ بند ہو کر اپنا دفاع کرے۔

اگلی صبح (5 ستمبر) تک بھارتی فوجیوں میں تیز بھاگنے کا مقابلہ شروع ہو چکا تھا۔ اسی صبح جوڑیاں پر ہماری فتح کا ہلالی پرچم لہرانے لگا۔

جوڑیاں کی فتح نے بھارتی آرمی اور بھارت کے سیاسی لیڈروں کو حواس باختہ کر دیا۔

پاکستان کی فاتح فوج نے بھارت کی شہ رگ پر قبضہ کر لیا تھا۔

اس کی مواصلات کی شاہراہ اب ہماری گرفت میں تھی۔ بھارت نے ٹیٹوال اور اوڑی سیکٹروں میں جو دراز دستی کی تھی۔ اس کا اس سے بہتر اور کوئی جواب نہ ہو سکتا تھا۔

جوڑیاں کی فتح کے ایک روز بعد 6 ستمبر کو بھارت نے لاہور پر حملہ کر دیا۔ اس طرح اس نے انتہائی حماقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ جموں و کشمیر کے متنازعہ علاقہ سے نکال کر پاکستان کی سرحدوں تک پھیلا دی۔

............☆☆☆............

لاہور سیکٹر کی کہانی

6 ستمبر کو پو پھٹنے سے پہلے بھارتی فوجوں نے واہگہ میں رینجرز کی چوکی کو فتح کرنے کے بعد جنگ کے کسی باضابطہ اعلان کے بغیر پاکستان کی مقدس سرزمین پر اپنے ناپاک قدم رکھے۔

حملہ انفنٹری کے پورے ڈویژن (پندرھویں ڈویژن) سے کیا گیا جس کی مدد ٹینک اور توپ خانہ کر رہا تھا۔ لاہور کے شہر پر یہ حملہ سامنے سے ہوا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ واہگہ سے نکل کر شہر لاہور پر قبضہ کر لیا جائے اس سامنے کی طرف سے حملہ کے ساتھ بی آر بی نہر کے ساتھ ساتھ پہلوؤں کی طرف سے شمال مشرق میں بھینی اور جنوب میں برکی کو نشانہ بنایا گیا۔

برکی پر بھی انفنٹری کے پورے ڈویژن (ساتویں ڈویژن) سے حملہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ ٹینکوں اور توپ خانہ کی پوری مدد شامل تھی۔

لاہور شہر کے خلاف تین طرف سے یہ حملہ ایک محدود محاذ پر تھا۔ وسیع محاذ پر تیسرا حملہ جنوب میں قصور کی جانب سے کیا گیا۔ یہ بھی ٹینکوں اور توپ خانہ کی مدد سے پورے ڈویژن (چوتھے ڈویژن) کے ساتھ کیا گیا۔ بھارت کے ٹینک جن کے پیچھے پیچھے پیادہ فوج تھی۔ بی آر بی نہر کے بڑے پل سے کافی پیچھے تھے کہ پاکستان کے ہراول دستوں سے ان کی مڈبھیڑ ہو گئی۔

ہماری توپوں اور ٹینک شکن گنوں نے شعلے برسانے شروع کیے تو دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔

☆☆☆

بی آر بی نہر پر باٹا پور کے مقام پر جو پل ہے بھارتی فوج کا سب سے بڑا نشانہ وہی تھا۔ انہوں نے تمام جتن کر ڈالے تا کہ اس پل پر وہ صحیح سلامت حالت میں قبضہ کر لیں۔ اس

پل پر قبضہ کر لینے سے لاہور پر حملے کی راہ صاف ہو جاتی تھی۔

اس مقصد کے پیش نظر انہوں نے اس پل پر زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈالا۔ توپوں کے گولے بارش کی طرح پل کے قرب و جوار میں پھٹتے رہے۔ پل بہت پختہ اور مضبوط تھا جس سے بھاری سے بھاری گاڑیاں آرام سے گزر جاتی تھیں۔

اسے اڑانا کوئی معمولی کام نہ تھا مگر پاکستان انجینئروں نے دشمن کے ٹینکوں اور توپوں کی قیامت خیز گولہ باری کے باوجود اس ناممکن کو بھی ممکن کر دکھایا۔ اس کے ساتھ ہی ہماری پیادہ فوج نے بھارتیوں کو زبردست جانی نقصان بھی پہنچایا۔

ہماری فوج کا ایک ہی جنگی نعرہ تھا کہ وہ آخری سپاہی تک لڑیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بھارتی اپنی نفری کی زیادتی اور جنگی سامان کی فراوانی کے باوجود اس قلیل تعداد بہادر فوج کی آہنی دیوار کو توڑ کر ایک قدم آگے نہ بڑھا سکے جو قوت ایمانی اور جذبہ سرفروشی سے لیس تھی۔

6 ستمبر تک بھارتی سینا کے حملے کا سارا زور ٹوٹ چکا تھا۔ اگلے دو تین روز میں بی آر بی نہر کے ساتھ ساتھ صورتحال پوری طرح مستحکم کر لی گئی۔ لاہور پر سامنے کی طرف سے بھارت کے حملے کی دھجیاں اڑ چکی تھیں۔ اب انہوں نے پہلوؤں پر دباؤ بڑھانا شروع کر دیا۔

برکی:

برکی، لاہور پر بھارت کے حملے کا بایاں بازو تھا۔ اس محاذ پر حملہ بھارت کے ساتویں انفنٹری ڈویژن نے کیا جس کی مدد ٹینک اور ڈویژنل توپ خانہ کر رہا تھا، اگلے مورچوں سے دونوں بھارتی بریگیڈوں (اڑتالیس اور پینسٹھواں) کی خوب مرمت کی گئی۔

ان کی ایسی درگت بنی کہ ان کی جگہ نئے آدمی بھیجنے پڑے۔ برکی کے علاقہ کی جنگی اہمیت اس کے محل وقوع کی وجہ سے ہے۔ یہ بی آر بی نہر سے کوئی ایک ہزار گز آگے لاہور ہر بکے روڈ پر واقع ہے یہاں سے گردو پیش کے علاقے کو آسانی سے کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔

بی آر بی نہر پر جو بڑا پل ہے اس کا بہترین دفاع بھی اسی مقام سے کیا جا سکتا ہے۔

برکی پر قبضہ رہنے کی صورت میں برکی ہر بکے سڑک کے گردو نواح میں نہر پار کرنے کے لیے حملہ ہونے کا امکان باقی نہیں رہتا۔

اس علاقے میں بھی وہی کچھ ہوا جو اس سے پہلے واہگہ میں ہو چکا تھا۔ یہاں بھی بھارتی ٹڈی دل نے گھوڑی کے سرحدی گاؤں میں رینجرز کی مختصری چوکی کو مغلوب کر کے ہڈیارہ میں پاکستان کے اگلے دستوں سے ٹکر لی تو جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔

پاکستانی شیر جوانوں نے جو ڈٹ کر مقابلہ کیا تو بھارتیوں کے چھکے چھوٹ گئے ان کے بڑھتے قدم رک گئے۔ پہلے ہلے میں وہ جہاں تک پہنچے تھے اس سے ایک انچ آگے نہ بڑھ سکے۔

☆☆☆

برکی پر جو بہت زوردار حملے ہوئے ان میں سے پہلا حملہ 8 ستمبر کو صبح کے ساڑھے پانچ بجے کیا گیا اس کے بعد بے شمار چھوٹے چھوٹے حملوں اور چھاپوں کے علاوہ بھارتی فوج نے آٹھ بڑے حملے کیے۔ حملہ کرنے کا انداز ہر بار ایک ہی ہوتا تھا۔

حملہ آور فوج کو ڈویژنل آرٹلری اور ٹینکوں کی ایک رجمنٹ یا سکاڈرن کی پوری مدد حاصل تھی۔ اس کے علاوہ برکہ خورد اور برکہ کلاں کی طرف سے مشین گنوں کا سیدھا فائر بھی آ رہا تھا۔ اتنی زبردست عسکری قوت کے باوجود بھارتی فوجیں بڑی مشکل سے رینگنے میں کامیاب ہو سکیں۔

پاکستانی فوج کے جیالے صف شکنوں نے ہر مقام پر ان کا جم کر مقابلہ کیا انہوں نے دشمن کا اتنا زیادہ نقصان کیا کہ اسے لینے کے دینے پڑ گئے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ حملہ اتنا مہنگا پڑے گا۔ برکی جنگ نے ایک بات اچھی طرح واضح کر دی کہ دشمن پر بے خبری کے عالم میں کتنے ہی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اور کتنے ہی مناسب وقت پر حملہ کیوں نہ کیا جائے وہ اپنے دفاع میں جم کر لڑنے والی ایسی فوج کے مقابلہ میں بے اثر ہو کے رہ جاتا ہے،

جو بہتر تربیت یافتہ ہو اور جو ایک سچے مقصد کی خاطر لڑنے مرنے پر تلی ہوئی ہو اور جس کے کمانڈر فرض کی لگن رکھتے ہوں۔

برکی میں جو جنگ ہوئی اس نے لاہور کے دفاع کو ایک اہم مقام پر بالکل محفوظ اور مضبوط بنا دیا تھا۔ اس کے علاوہ اس جنگ میں انفرادی بہادری، جرأت اور بے لوث فرض شناسی کے بہت سے شاندار واقعات سامنے آئے۔

بھینی جو بی آر بی نہر پر باٹا پور کے پل سے قریباً سات میل کے فاصلہ پر واقع ہے لاہور پر تین طرف سے بھارتی حملہ کا دایاں بازو تھا۔ دشمن جنوب میں برکی سے لے کر شمال میں بھینی کے سائفن اور اس سے آگے تک پھیلے ہوئے تیس میل کے جس علاقہ سے گزر کر لاہور کی ایک طرف سے آگے نکل جانا چاہتا تھا بھینی اس میں ایک کلیدی حیثیت رکھتا تھا۔

بھارتیوں کا مقصد یہ تھا کہ شہری علاقہ کو ایک طرف چھوڑ کر محمود بوٹی بند روڈ کے راستے آگے نکل کر شاہدرہ کے پل پر قبضہ کر لیا جائے اور اس طرح پاکستان کے اعصابی مرکز (لاہور) کو ہر طرف سے کاٹ دیا جائے۔

بھینی میں بھارتیوں کے لیے ایک اور کشش بھی تھی وہ چاہتے تھے کہ سائفن پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ وہ پانی کا رخ بدل سکیں اور اس طرح لاہور کی طرف یلغار کے راستے میں نہر کی جو بڑی رکاوٹ حائل ہے اسے خشک کر دیا جائے۔

انہوں نے بھینی سے بی آر بی پار کرنے کی سرتوڑ کوشش کی۔ اس سلسلہ میں بھینی کے پل پر انیس حملے کیے گئے۔ اس پر توپوں سے زبردست گولہ باری کی گئی۔ اس عرصہ میں کم و بیش ایک ہزار پانچ سو بیس گولے پل پر پھٹے، بھینی سے قریباً چار میل آگے شمال کی جانب بی آر بی سائفن کے علاقہ کو بھی توپوں کا نشانہ بنایا گیا۔

بھارتیوں کے ان سارے حملوں کا مقصد یہ تھا کہ وہ بلا روک ٹوک ٹھک سے لاہور آ پہنچیں۔ بی آر بی سائفن پر انہوں نے زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈالا کہ کسی نہ کسی طرح وہ یہاں

سے پاکستانی صفوں کو چیر کر آگے نکل جائیں مگر رسوائی اور نامرادی کے سوا انہیں کچھ نہ ملا۔

ہماری فوج نے اسی پر بس نہیں کی کہ سائفن کی طرف بھارتی دستوں کو قدم بڑھانے نہ دیا بلکہ اس نے محدود پیمانے پر جوابی حملہ بھی کر دیا۔ اس حملے کا مقصد یہ تھا کہ واہگہ لاہور محور پر بھارتی دباؤ کم کیا جا سکے۔

سائفن کی سمت سے اس جوابی حملے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بھارتی فوج لاہور کے سامنے کی طرف سے جو دباؤ ڈال رہی تھی اس کا زور ٹوٹ گیا اور دشمن کو مجبور ہو کر دفاعی پوزیشن اختیار کرنی پڑی۔

جوابی حملہ کرنے والے ہمارے دستے نے بھیسن اور ڈوگرائی میں دو اہم چوکیاں قائم کر لیں۔ ان چوکیوں کی وجہ سے دشمن کی پیش قدمی کا راستہ رک گیا۔

☆☆☆

اس طرح بھینی کا معرکہ دفاع اور حملہ دونوں لحاظ سے ایک یادگار معرکہ بن گیا۔ اسی میں پاکستان آرمی نے بھارتی حملے کے دائیں بازو کو ناکارہ کر کے رکھ دیا اور واہگہ میں دشمن کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے جوابی حملہ کیا اس کے کمانڈنگ آفیسر کو حکم یہ تھا۔

"رکو مت! سست مت ہو! اگر تمہارے پاس ایمونیشن ختم ہو جائے تو دشمن کو اپنی سنگینوں سے بلکہ خالی ہاتھوں سے چیر ڈالو!"

کمانڈر کے اس حکم پر لفظ بلفظ عمل کیا گیا۔ جب تک مقصد حاصل نہیں کر لیا گیا نہ کسی جوان نے چین لیا نہ کسی افسر نے، وہ کھلے میدان میں ایک ایسے دشمن کیخلاف نبرد آزما ہوئے جو طاقت میں ان سے پانچ گنا بھاری تھا۔ اس طرح جرنیلی سڑک کیساتھ صورتحال بالکل مستحکم ہوگئی۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہمارے جانباز بھارتی علاقہ میں نو ہزار گز تک اندر چلے گئے۔

............☆☆☆............

کھیم کرن سیکٹر کی کہانی

اپنی جارحیت اور درندگی کا مظاہرہ کرنے کے لیے لاہور پر حملے کے ساتھ ساتھ بھارتیوں نے قصور پر بھی ہلہ بول دیا۔ بھارتی توپوں نے پنانواں، قصور اور روہی وال کے علاقوں پر سخت گولہ باری کی۔ کھیم کرن قصور محور پر بھارتیوں نے اپنا پہلا حملہ بیدیاں پر کیا ان کا پروگرام یہ تھا کہ بیدیاں کے اہم سائفن پر قبضہ کرلیا جائے اور یہاں سے قصور، لاہور کی بڑی سڑک پر چڑھ کر لاہور کے تاریخی شہر تک آ پہنچیں مگر چند گھنٹے کے اندر ہی بھارتیوں کے حملوں کو بے اثر کر کے رکھ دیا گیا۔

6 ستمبر کی صبح بھارت کی تیرہویں ڈوگرہ بٹالین نے روہی وال پر حملہ کیا اور اونچے علاقے اور گاؤں پر قبضہ کرلیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی بٹالین کا سیکنڈ ان کمانڈر میجر ملکیت سنگھ اپنے چودہ ساتھیوں سمیت ہمارا قیدی بن گیا۔ ساٹھ بھارتی مارے گئے۔

اس محاذ پر جو تابڑ توڑ حملے کیے گئے تھے ان کی شدت سے اندازہ ہوتا تھا کہ بھارتی جنگ کو فیصلہ کن نتیجہ تک پہنچانے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا چکے ہیں۔

انہوں نے بیدیاں قصور کے علاقے میں ساری سرحد کے ساتھ ساتھ بار بار پوری قوت سے حملے کیے مگر ہر بار سخت نقصان اٹھانے کے بعد انہیں پسپا ہونا پڑا اس دوران پاکستان آرمی نے بھارتی فوج کے خلاف جوابی حملہ کرنے کی تیاری کر لی تھی۔ پاکستانی فوج کو حکم ہوا کہ روہی نالہ پر پل باندھا جائے۔

7 ستمبر کو پاکستان آرمی نے بھارت کے شہر کھیم کرن کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ بھارتی فوجوں نے زبردست مزاحمت کی مگر ان کی کوئی پیش نہ چل سکی۔ ہماری پیش قدمی پروگرام کے مطابق جاری رہی اور 8 ستمبر کو کھیم کرن پر ہمارا قبضہ ہو چکا تھا۔ اس سے بھارتی علاقے میں ہماری مزید پیش قدمی کی راہ ہموار ہوگئی۔

کھیم کرن کی فتح ہماری فوج کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس سے قصور کے خلاف بھارت کے حملے کی کمر ٹوٹ گئی۔ اس کے بعد جتنی بڑی بڑی لڑائیاں اس محاذ پر ہوئیں وہ سب بھارتی علاقہ میں لڑی گئیں۔ بھارتیوں نے بہت پاپڑ بیلے کہ فوج سے کھیم کرن چھین لیں۔ انہوں نے بکتر بند قوت انفنٹری اور ڈویژنل آرٹلری سے ہماری اگلی پوزیشنوں پر پورا زور ڈالا مگر وہ ہماری فاتحانہ یلغار کو روک نہ سکے۔

12 ستمبر کو بھارتیوں نے مکمل انفنٹری بریگیڈ (اکتالیسویں سپیشل بریگیڈ گروپ) کے ساتھ پوری آرمرڈ رجمنٹ کی مدد سے کھیم کرن میں ہماری پوزیشنوں پر حملہ کیا۔ اس سے پہلے چوتھی سکھ لائٹ انفنٹری نے کھیم کرن کے مورچوں میں چوری چھپے داخل ہونے کی کوشش کی۔ ان کے اس حملے کو بھاری نقصان پہنچا کر پسپا کر دیا گیا۔ چوتھی سکھ لائٹ انفنٹری مکمل طور پر گھیرے میں آ گئی اور اس کا نام ونشان ہی مٹ گیا۔ اس کے قریباً ڈھائی سو آدمی جن میں کمانڈنگ آفیسر بھی شامل تھے پکڑے گئے۔

اس سیکٹر میں بھارتی ایئر فورس بھی اپنی زمینی افواج کی پوری پوری مدد کر رہی تھی بھارتیوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کی وجہ سے ان کا حملہ ناکارہ ہو کر رہ گیا۔ اس کے بعد بھارتی اپنی پھر سے تنظیم کرنے لگے اور انہوں نے دراز دستی نہ کی۔

18 اور 20 ستمبر کے درمیان بھارتیوں نے بیدیاں کے سامنے اپر باری دوآب پر پاکستان کے بعض مضبوط مورچوں پر حملے کیے۔ 21 ستمبر کو آدھی رات کے وقت اس سیکٹر میں انہوں نے سب سے بڑا حملہ کیا۔

انہوں نے پورا زور لگایا کہ کھیم کرن سے پاکستانیوں کو نکال دیں اور قصور پر قبضہ کر لیں۔ پے بہ پے تین زوردار حملے کیے گئے۔ کھیم کرن کے پل پر پہلے دو حملے دو بریگیڈوں سے اور تیسرا ایک بریگیڈ کی طاقت سے کیا گیا۔ ہر حملے سے پہلے توپوں سے سخت گولہ باری کی گئی لیکن ہر دفعہ دشمن پاکستانی فوج کی سیسہ پلائی دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا۔

کھیم کرن میں ہمیں جو فتح حاصل ہوئی اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ساری جنگ کے دوران ہمارے توپ خانے اور دوسرے امدادی آرمز کے درمیان مکمل تعاون مفاہمت اور ربط قائم رہا۔ توپ خانے نے دفاع اور حملہ دونوں حالتوں میں اپنا کام بڑی عمدگی سے کیا۔

☆☆☆

دفاعی پوزیشن میں ہماری توپوں نے بالکل ٹھیک ٹھیک اور موثر گولہ باری کر کے دشمن کے حملوں کو شروع ہوتے ہی ناکارہ کر دیا حملہ کرتے وقت ہمارے توپ خانے نے دشمن کی دفاعی پوزیشن کو بے کار کر کے رکھ دیا اس کی توپوں کو خاموش کر دیا اور اس کی بکتر بند قوت کو چکنا چور کر دیا۔

پاکستانی توپ خانہ نے دشمن کی صفوں میں جو کھلبلی مچائی اس کے بارے میں ایک بھارتی لیفٹیننٹ کرنل نے اپنی جنگی رپورٹ میں لکھا ہے:۔

”کبھی کبھی رات کا سناٹا توپوں کے فائر کی چمک اور گولے پھٹنے کے دھماکوں سے ٹوٹتا تھا۔ بیشتر گولے ہوا میں پھٹتے تھے اور اپنے ساتھ تباہی اور ہلاکت کا بے پناہ سامان لاتے تھے۔ پاکستانی فوج کی گنیں پوزیشنیں بدل بدل کر فائر کرتی تھیں۔ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہماری پوزیشنوں پر شعلے برساتی تھیں۔“

پاکستان کی توپوں نے بھارتیوں کے لیے مصیبت پیدا کر دی وہ اس قدر سنگین ہو گئی کہ اس سے ساری صورتحال کا نئے سرے سے جائزہ لینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اوپر سے پاکستان ایئر فورس کے جیٹ دشمن پر آگ برسا کر اپنی زمینی افواج کو بڑی گرانقدر مدد پہنچا رہے تھے۔ ان موت کے فرشتوں نے بھارتیوں کو نہ فضا میں چین لینے دیا نہ زمین پر، فضا میں بھی ان کو مارا اور زمین پر بھی انہیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

.........☆☆☆.........

سلیمانکی سیکٹر کی کہانی

بھارتیوں نے سلیمانکی کے اہم ہیڈ ورکس کے لیے خطرہ پیدا کر کے جنگ کا دائرہ جنوب تک بڑھا دیا۔ مٹھی بھر پاکستانی فوج نے رینجرز کی مدد سے دشمن کو جا دبوچا اور اس کے مورچوں میں افراتفری پھیلا دی۔ پاکستان کے دلیروں نے نہ صرف سلیمانکی کے اہم ہیڈ ورکس ہی کو دشمن کے ناپاک عزائم سے محفوظ رکھا بلکہ وہ جنگ بھارتی علاقہ کے اندر فاضلکا تک لے گئے۔

انہوں نے بھارت کے قریباً چالیس مربع میل سرسبز و شاداب علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ فائر بندی کے بعد مقبوضہ علاقوں کے تبادلہ تک یہ علاقہ ہمارے قبضے میں رہا۔

6 اور 7 ستمبر کی درمیانی رات کو پاکستانی فوج نے جو پہلا ہی حملہ کیا اس میں اس نے صادقیہ اور پکا کی چوکیوں پر قبضہ کر لیا۔ جھنگڑ میں دشمن نے سخت مقابلہ کیا۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی مگر بھارتیوں کی خوب درگت بنی اور انہیں بالآخر اس چوکی کو خالی کرنا پڑا۔

بھارت کی زمینی فوج پاکستانیوں کی فاتحانہ یلغار کو نہ روک سکی۔ اگلی صبح پانچ بھارتی جیٹ طیارے اپنی فوج کی مدد کو پہنچے۔ انہوں نے ہیڈ ورکس پر بم اور راکٹ پھینکے مگر وہ ہیڈ ورکس کو ذرہ برابر نقصان نہ پہنچا سکے۔

بعد میں بھارتی پاکستانیوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے ٹینک لے آئے مگر یہ بھی ہمارے مردانِ آہن کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ ہم برابر آگے بڑھتے گئے۔ ایک کے بعد دوسری دوسری کے بعد تیسری اور اسی طرح چوکیوں پر چوکیاں ہمارے قبضہ میں آتی گئیں اور پاک فوج نے سوار والی، چھنن والی، خانو والہ، تیجا سنگھ والا اور مہار سونا پر ہلالی پرچم لہرا دیا۔

.........☆☆☆.........

چنن والہ سیکٹر کی کہانی

23 ستمبر کو بھارتیوں نے ایک درخواست بھیجی کہ مقامی کمانڈروں کی ملاقات ہونی چاہیے۔اس ملاقات کا بظاہر مقصد یہ تھا کہ فائر بندی کی لائن کی تفصیلات طے کی جائیں۔

اگلے دن دونوں طرف کے مقامی کمانڈر ملے بھارتیوں نے مطالبہ کیا کہ پاکستان چنن والا کو خالی کر دے۔ان کا موقف یہ تھا کہ پاکستان نے اس چوکی پر قبضہ فائر بندی کے بعد کیا ہے۔پاکستان نے اس الزام کو پوری قوت سے غلط بتایا اور چوکی خالی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔پاکستان نے اس کے بجائے یہ پیشکش کی کہ ایک ملحقہ گاؤں مٹھیانوالی کو غیر جانبدار علاقہ قرار دیا جائے۔

بھارتیوں نے اس پیشکش کو ماننے سے انکار کر دیا۔25 ستمبر کو تیسرے پہر بھارت کا بریگیڈ کمانڈر ایک لیفٹیننٹ کرنل اور ایک کیپٹن ہمارے ایک بٹالین کمانڈر سے ملے۔بھارتی بریگیڈیئر نے اس پر اصرار کیا کہ پاکستانی فوجیں چنن والا کا علاقہ خالی کر دیں مگر ہمارے بٹالین کمانڈر نے پھر انکار کر دیا۔

''ہم یہاں ہیں اور یہیں رہیں گے۔''

ہمارے بہادر کمانڈر نے اسے للکارتے ہوئے کہا۔

اس وقت شام کے چار بج کر پینتیس منٹ تھے۔بھارتی بریگیڈیئر نے پوری فرعونیت سے کہا۔''اچھا میں آپ کو پچیس منٹ کی مہلت دیتا ہوں۔اس عرصے میں آپ چنن والا کو خالی کر دیں اگر نہیں کریں گے تو پھر ہم طاقت کے زور سے خالی کرا لیں گے۔''

پاکستانی کمانڈر نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔''بڑے شوق سے!''

بھارتی بریگیڈیئر کو یہ جواب دے کر وہ اپنے مورچے میں واپس آ گیا اور اس نے اپنے سپاہیوں سے کہا۔''تیار ہو جاؤ!''

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے فورس کمانڈر کو بھی بھارتی بریگیڈیئر کی دھمکی سے آگاہ کر دیا۔حکم ملنے کی دیر تھی ہر جوان اور ہر افسر اپنی اپنی جگہ مستعد اور چوکس کھڑا تھا۔وہ انتظار کرنے لگے کہ بھارتی اپنی دھمکی کو پورا کرنے کے لیے کیا کرتے ہیں۔بھارتیوں نے وقت مقررہ پر حملہ کر دیا۔ہمارے جوانوں نے اپنے جوہر دکھائے تو بھارتیوں کی پرغرور گردن مروڑ کے رکھ دی نتیجہ یہ ہوا کہ جو ہم سے بزور چوکی خالی کرانے آئے تھے انہوں نے خود ہی درخواست کی کہ لڑائی بند کر دی جائے۔بزدل دشمن پر رحم کرتے ہوئے جوانوں نے فائر بندی کر لی۔

☆☆☆

راجستھان سیکٹر کی کہانی

سینکڑوں میل جنوب میں بھارتیوں نے ایک اور محاذ کھول دیا۔ 8 ستمبر کو انہوں نے راجستھان کی سرحد پر پاکستان کی ایک چوکی گدڑا پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ بھارت کے اس اقدام کا مقصد یہ تھا کہ محاذ وسیع کر دینے سے قلیل التعداد پاکستانی فوج کئی مقامات میں تقسیم ہو کر بٹ جائے گی اور پاکستان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارتی سینا کچھ مقامات پر پاکستانی فوج کو مغلوب کر سکے گی۔

مگر دوسرے علاقوں کی طرح یہاں بھی چوبیس گھنٹے سے بھی کم وقت میں جنگ کا پانسہ بالکل پلٹ گیا۔ پاکستانی فوج پہل کر کے بھارتی علاقہ کے اندر موناباؤ پر حملہ کرنے کے لیے پر تولنے لگی۔

11 ستمبر کو آدھی رات کے لگ بھگ فوجی اہمیت کے اس ریلوے سٹیشن پر ہمارا قبضہ ہو چکا تھا۔ بھارتیوں کے لیے یہ بڑی ضرب کاری تھی جس سے وہ بعد میں سنبھل نہ سکے۔ وہ اس قدر بوکھلا گئے کہ کئی روز بعد کمال ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے موناباؤ پر پاکستان کے قبضے سے صاف انکار کرتے رہے۔

بھارتیوں نے جنوب کی طرف ڈالی کے مقام پر ایک بہت بڑا حملہ کر دیا۔ ڈالی کھوکھراپار کے جنوب میں کوئی تینتیس میل کے فاصلے پر پاکستانی علاقے کے اندر واقع ہے۔ یہ حیدرآباد تک چھچھرو، عمرکوٹ، گدڑو کھوکھراپار محور پر ایک اہم مقام ہے اس سے پہلے بھارتیوں نے ڈالی سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر جسوکاپڑ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

جسوکاپڑ واحد جگہ تھی، جہاں پانی مل سکتا تھا۔ بہت سے بھارتی سپاہی جو پکڑے گئے تھے انہوں نے تسلیم کیا کہ وہ ہراول دستے کے ساتھ پانی کی تلاش میں آئے تھے

تا کہ پانی کے چشمے پر قبضہ کر کے پاکستانی فوج کو پیاسا مار ڈالیں۔ اس سے دشمن کی بربریت کا اندازہ کر لیجئے۔

ڈالی میں پاکستانی فوج کے ہاتھوں بھارتیوں کی خوب درگت بنی۔ ایک دن کی لڑائی میں وہ تین ٹینک، مختلف قسم کی تقریباً تیس گاڑیاں مشین گنوں، سٹین گنوں، تھری ناٹ رائفلوں اور تھری انچ مارٹروں کا انبار چھوڑ کر بھاگے۔ بھارت کے نو افسر بارہ جونیئر کمیشنڈ افسر اور ایک سو ستر سپاہی ہلاک ہو گئے۔ دو سو کے قریب قیدی بنے۔

بھارتی پیادہ فوج کے دو مکمل پلٹنوں، پانچویں مرہٹہ اور سترہویں مدراس کا صفایا ہو گیا۔ ڈالی میں بھارتی بٹالین ہیڈکوارٹر کو بالکل اڑا دیا گیا۔ اور چوکی پر دوبارہ ہمارا قبضہ ہو گیا۔

☆☆☆

فائر بندی کے بعد بھارتیوں نے ''آپریشن لکویڈیشن'' کے نام سے ایک نیا حملہ شروع کیا۔ ان کا پروگرام یہ تھا لڑائی کے دوران پاکستانیوں کے ہاتھوں پٹ کر وہ جو علاقہ کھو بیٹھے تھے وہ اسے دوبارہ حاصل کر سکیں۔ انہوں نے سوبھالہ اور کلنور کی چوکیوں پر حملہ کر دیا۔ یہ دونوں چوکیاں اس وقت خالی تھیں۔ اس حملے سے پہلے اقوام متحدہ کے مبصر اس علاقے کا جائزہ لے کر خود دیکھ چکے تھے کہ یہ دونوں چوکیاں پاکستان کے قبضے میں ہیں اور جنگ بندی سے پہلے ان پر قبضہ ہو چکا تھا۔ اس حملے میں بھارت کی چوتھی مرہٹہ لائٹ انفنٹری اور تیسری گارڈز کی خوب مرمت کی گئی۔ میدان جنگ میں جدھر بھی نظر جاتی تھی ان کی لاشیں بکھری دکھائی دیتی تھیں۔

کھوئے ہوئے علاقے کو دوبارہ حاصل کرنے کی غرض سے جنگ بندی کے کوئی ایک ہفتہ بعد بھارتیوں نے ہماری شمالی چوکی سندرا پر ایک زور کا حملہ کر دیا۔ یہ حملہ ایک انفنٹری بٹالین نے کیا جس کے پاس توپیں اور مارٹر تھے۔ انہوں نے بھارتیوں کا سارا دم خم نکال دیا اور انہیں بھاگنے کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔

☆☆☆

جیسل میر سیکٹر کی کہانی

پاکستانی ڈیزرٹ فورس کے ذمے راجستھان میں شمال کی طرف بہاولپور سے لے کر گھوٹکی ڈھائی سومیل کے وسیع علاقے کا عظیم کام لگایا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا کام تھا۔ اس وجہ سے بھی کہ پاکستان کی بیشتر فوج لاہور اور سیالکوٹ کے محاذوں پر دشمن سے دو دو ہاتھ کر رہی تھی۔

اس علاقے میں سرحد کے ساتھ ساتھ چولستان کا ریگزار ہے جو میلوں تک ریت کے ٹیلوں کے ایک نہ ختم ہونے والے سلسلے کے سوا کچھ نہیں۔ چند ایک چھوٹے چھوٹے علاقوں کے سوا باقی علاقے میں مواصلات کا سلسلہ عملاً ناپید ہے۔ گوناگوں خطرات کے باوجود ڈیزرٹ فورس نے سرحدوں کی حفاظت کا فریضہ بڑی عمدگی سے سرانجام دیا۔

8، 9 ستمبر کی درمیانی رات کو پاکستانی فوج نے جیسلمیر کے علاقے میں دو بھارتی چوکیوں پر حملہ کر دیا۔ پاکستان کی اس برق رفتار کارروائی سے دشمن بھونچکا رہ گیا تھا۔ اس نے کچھ مقابلہ کیا مگر اسے جلد ہی راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ بھارت کی دو اہم چوکیاں اچھی ٹوبہ اور سدھیوالہ پر ہمارا قبضہ ہو گیا۔

یہاں اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے بعد پاکستان ڈیزرٹ فورس نے آگے بڑھ کر دشمن کے علاقے میں گشتی کاروائی شروع کر دی۔ دشمن کی طاقت کا اندازہ کرنے کے لئے کئی گشتی مشن بھیجے گئے۔ 21 اور 22 ستمبر کی درمیانی رات کو صحرائے چولستان میں وسیع علاقہ پر پھیلی ہوئیں دشمن کی بہت سی چوکیوں پر بھرپور حملہ کیا گیا۔

اس معرکے میں پاکستانی فوج نے شاہ گڑھ، گھوٹارو فورٹ، بھٹے والہ، لونگے والہ، دھری کھو، سرکاری تارا، سانچی رائے چند ملیشر اور کشن گڑھ قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

جیسل میر سیکٹر میں ان فوجی کاروائیوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ دشمن کے علاقے پر قبضہ کیا جائے بلکہ ان سے اصل غرض یہ تھی کہ دشمن کو ان چوکیوں پر اپنی فوجی جمعیت اکٹھی کرنے سے روکا جائے۔ اندیشہ یہ تھا کہ وہ ان چوکیوں کو مستحکم کر کے ایک اور محاذ کھول دے گا۔ پاکستانی بہادر فوج اپنے مقصد میں کامیاب رہی اور دشمن بھی یہاں اپنی جمعیت اکٹھی نہ کر سکا۔

سدھیوالہ سیکٹر کی کہانی

راجستھان میں سدھیوالہ پر پاکستان کی صحرائی فوج نے جنگ کے دوران قبضہ کر لیا تھا۔ راجستھان کی دوسری چوکیوں کی طرح یہ بھی ایک الگ تھلگ چوکی تھی۔ گرد و پیش میلوں تک آبادی کا بلکہ کسی قسم کی زندگی کا بھی کوئی نشان نہیں تھا۔ اس چوکی کی حفاظت کے لئے بھارتیوں نے مضبوط فوجی جمعیت رکھی ہوئی تھی اور انہیں پورا یقین تھا کہ انہیں اس چوکی سے کوئی نہیں ہٹا سکتا۔

اونٹ کے چند رستوں کے سوا اس چوکی تک جانے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا لہٰذا اس علاقے میں کسی بڑی فوج کا استعمال ناممکن تھا۔ البتہ چھوٹی فوج کو آسانی سے نکال باہر کرنے کے لئے بھارتی جمعیت بہت کافی تھی۔ سدھیوالہ پر ہمارے حملے اور قبضے کی وجہ یہ تھی کہ حملے کا منصوبہ بڑی کاوش اور بڑی جرأت مندی سے تیار کیا گیا اور اسے آہنی عزم اور سرفروشانہ جذبہ سے پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا۔

جنگ بندی کے بعد بھارتیوں نے سدھیوالہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا تاکہ اپنی قوم کے سامنے اپنی خفت کو کچھ کم کر سکیں مگر 2 ستمبر کو ہماری فوج نے ایک یادگار معرکہ میں اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ سدھیوالہ میں لڑائی صرف ساڑھے چار گھنٹے جاری رہی۔ صبح کے ساڑھے پانچ بجے لڑائی شروع ہوئی اور دس بجے صبح تک بالکل ختم ہو گئی۔ مگر یہ ساڑھے چار گھنٹے راجستھان کے اس حصے میں فیصلہ کن ثابت ہوئے۔ آئندہ پیش آنے والے واقعات پر ان کا گہرا اثر ہوا۔

صحرائی فوج کے جاں بازوں نے محض بہادری ہی کا نہیں بلکہ اعلیٰ پایہ کی مہارت اور ربط باہمی کا مظاہرہ کیا۔ ایسی کوئی مثال شاید ہی ملتی ہو کہ مضبوط قدم جمائے ہوئے دشمن پر حملہ کرنے والی فوج نے کم سے کم نقصان اٹھا کر دشمن کے قدم یوں اکھاڑ دیئے ہوں۔ سدھیوالہ کے متعلق محض قیاس ہی کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے جوانوں نے ایک سو پچیس لاشیں گنیں جن میں ایک میجر اور کیپٹن بھی تھا۔ بھارتی سینا کے بچے کھچے سپاہی جس راستے سے بھاگ کر گئے تھے وہ سارا راستہ خون سے لتھڑا ہوا تھا۔ چھتیس بھارتی سپاہی قیدی بنے۔ ان کے علاوہ کثیر مقدار میں جنگی سامان ہمارے ہاتھ لگا۔ اس میں مارٹر مشین گنیں اور دوسرے چھوٹے ہتھیار، وائرلیس اور ٹیلی فون سامان، جیپیں اور ٹرک شامل تھے جب جنگ بندی ہوئی پاکستانی فوجیں راجستھان کے بھارتی علاقہ میں بارہ سو میل رقبہ پر قابض تھیں۔

☆☆☆